

خیر المصاادر، چند سال گذرے کہ جناب مولوی حکیم محمد حنیف صاحب دینوی بہاری نے
مبتدیوں کے لیے فارسی زبان کے علم صرف کے مسائل جمع کر کے "خیر المصاادر" کے نام سے شائع کیا تھا
اب جناب مؤلف نے طبع ثانی میں "خیر المصاادر" پر خیر القواعد کا اضافہ کیا ہے، جس میں اسی جامعیت کے
ساتھ علم نحو کے مسائل جمع کئے گئے ہیں، رسالہ کی خاص خوبی یہ ہے کہ طلبہ کو فارسی کے تمام مسائل اردو کی
مثالوں کے ذریعہ سمجھائے گئے ہیں، جس سے یہ مسائل خوبی اور آسانی کے ساتھ طلبہ کے ذہن نشین ہو گئے
جسم ۴۰ صفحہ، لکھائی، چھپائی اور کاغذ متوسط ہے، قیمت ۶ روپے۔ مولوی محمد حنیف صاحب دینوی، کوئی نہ سمجھا دے
نکاح آریہ، مولانا ابوالوفار ثناء اللہ صاحب امرتسری نے رسالہ نکاح آریہ، مین آریوں کی
ذہبی کتابوں سے اخذ کردہ مذہب آریہ کے مسائل متعلقہ نکاح پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے اسلام کے
مسائل نکاح کی خوبیاں دکھائی ہیں، ممکن ہے کہ جناب مؤلف اپنے مقصد میں کامیاب ہوں، لیکن
اسلوب بیان میں وجاد نظم تھی احسن کا اصول فراموش کر دینے کی وجہ سے اسلامی سکینہ و وقار کا
دامن ہاتھوں سے جاتا رہا ہے، حجم ۴۰ صفحہ، لکھائی، چھپائی اور کاغذ متوسط ہے، قیمت ۵ روپے، دفتر لکھنؤ
ہشتی جھومر یا اسباق النسوان، جناب محمد مرزا خان صاحب دہلوی نے تعلیم یافتہ خاتونوں
کے لیے زیر تبصرہ رسالہ لکھا ہے جس میں اصحانہ انداز میں عورتوں کو اخلاق حسنہ پیدا کرنے اور زندگی بسر
کرنے کے چند اصول مثلاً: ازدواجی کے برے نتائج، "غیر مستقل مزاجی کی خرابیاں، اور اخلاقی حس
کو ہمیشہ متاثر نہ ہونا چاہیے، وغیرہ سمجھائے گئے ہیں، حجم ۲۰ صفحہ، لکھائی، چھپائی اچھی اور کاغذ چمکدار لائی ہو
قیمت ۳ روپے، سکتہ ابراہیمیہ، شیش روت، حیدر آباد دکن،

خیر الدین، مولانا کے ایک مخصوص جہیز میں دنیا پر جمع نہیں ہو سکتے، جناب مولوی ابوالخیر صاحب دینوی نے اس پر ایک رسالہ
میں مولانا کے کتاب سنت و خلیل کی ترمیم کی، جس کے چند عنوان میں اسلام و بہانیت، ترک و تہذیب دین دنیا، و دلائل کسب و دستاویز
سائنس و مانی وغیرہ شامل ہیں، مولانا کے ایک مخصوص جہیز میں دنیا پر جمع نہیں ہو سکتے، جناب مولوی ابوالخیر صاحب دینوی نے اس پر ایک رسالہ
میں مولانا کے کتاب سنت و خلیل کی ترمیم کی، جس کے چند عنوان میں اسلام و بہانیت، ترک و تہذیب دین دنیا، و دلائل کسب و دستاویز

جلد ہفتم، ماہ ذیقعدہ ۱۳۴۴ مطابق ماہ جون ۱۹۲۶ء، عدد ششم

مضامین

شذرات	مولانا عبدالسلام صاحب ندوی	۴۰۷ - ۴۰۸
نواب عماد الملک	"	۴۰۸ - ۴۱۱
عقیدہ اداس کے مصالح	"	۴۱۲ - ۴۲۱
عربوں کا علم طب شام میں	سید ریاست علی ندوی رفیق وارثی	۴۲۲ - ۴۳۴
جیمس کا نظریہ جذبات	مولوی متھنہ ولی الرحمن منایم پیر و فیروز خان	۴۳۵ - ۴۵۴
آثار قدیمہ	شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب حق آثار قدیمہ کلکتہ	۴۵۵ - ۴۵۹
جہنمی میں تعلیمی جدوجہد	"	۴۶۰ - ۴۶۲
ہندوستان اور کتب خانے	"	۴۶۲ - ۴۶۴
قسطیہ میں فن خطاطی کی نمائش	"	۴۶۴ - ۴۶۵
اجار علیہ	"	۴۶۶ - ۴۶۹
کلام گرامی	جناب گرامی	۴۷۰
نوائے حزمین	جناب حزمین صاحب نوکادی سیاح ایران نائب سربراہ تعلیم	۴۷۰
کلام عابد	جناب عابد عقیقت عابدی لے مدیر ہزار داستان لاہور	۴۷۰
اردو کے نئے رسالے	مولوی ابوالجمال صاحب ندوی	۴۷۲ - ۴۷۵
کلیات اقبال	مولانا عبدالسلام صاحب ندوی	۴۷۵ - ۴۷۷
مطبوعات جدیدہ	"	۴۷۸ - ۴۸۰

شکست

مولانا عبد الرحمان مرحوم کے ماتم سے ابھی آنکھیں خشک نہیں ہوئی تھیں کہ ہم کو ندوہ کے ایک دوسرے قابل ترین فرزند مولوی نور احمد نے ندوی کے ماتم میں اشکبار ہونا پڑا جو مقاصد ندوہ کی تکمیل میں ابھی تک دو دو کر رہا تھا مرحوم نے تقریباً سات سال تک ندوہ میں عربی کی تعلیم حاصل کی پھر تین سال مدرسہ الہیات میں بسر کر کے انگریزی شروع کی اور اس سال بی اے آنرز کا امتحان دیا تھا، اور اس کے بعد ہم ان سے مقاصد ندوہ کے مطابق ہر قسم کی علمی توقعات قائم کر سکتے تھے جس کے آثار ادنیٰ زندگی کے نہایت ابتدائی دور سے نمایاں تھے، اور تعلیمی ترقی کی تیشا نشان میں بھی تدریجی ترقی ہوتی جاتی تھی، چنانچہ وہ پہلے ندوہ میں طلباء کے قلمی رسالہ الاصلاح کے اڈیٹر رہے، پھر کلکتہ میں ایک روزنامہ کوڈٹ کیا، رسالہ حور جو کلکتہ سے نکل کر چند ماہ کے بعد بند ہو گیا اور عین کے دست و بازو کے بل پر نکلتا رہا، معارف میں بھی انھوں نے بعض مضامین لکھے تھے، لیکن اب تکمیل تعلیم کے بعد جبکہ یہ توقعات باضابطہ اور مستقل صورت اختیار کر گئیں،

دین ماتم سخت است کہ گویند جوان مرد

نہایت مسرت کی بات ہے کہ ہر ہائٹس نواب حمید اللہ خان بہادر بالقیہ کے فرمانروائے بھوپال ہونے کا جو غرور گذشتہ پرچہ میں سنایا گیا تھا، اس نے اس مہینہ میں عملی صورت اختیار کی اور

۹ جون ۱۹۲۷ء کو باضابطہ طور پر ان کی مسند نشینی کی رسم ادا کی گئی، اور اس مبارک تقریب میں کئی روز تک بھوپال جشن کدہ بنا رہا، ہم اس موقع پر نہ صرف نواب صاحب کو بلکہ تمام رعایائے بھوپال کو مبارکباد دیتے ہیں کہ ان کو ایک ایسے تعلیم یافتہ اور روشن خیال فرمانروا کے زیر حکومت زندگی بسر کرنے کا موقع ملا ہے، جس میں ضروریات زمانہ کے مطابق ریاست کو ہر قسم کی ترقی دینے کی پوری قابلیت و اہلیت موجود ہے،

ہر ہائٹس نواب حمید اللہ خان بہادر کی مسند نشینی کے بعد اب ہر ہائٹس سلیم صاحبہ بھوپال سیاسی کشمکش سے آزاد ہو کر اطمینان و سکون کی زندگی بسر کریں گی، جسکی وہ بجا طور پر مستحق ہیں، لیکن رہا حکومت میں جو علمی و مذہبی توقعات ادنیٰ ذات سے پوری ہو رہی تھیں، وہ اب بھی بدستور قائم ہیں بلکہ ہم کو یقین ہے کہ خدا کی عبادت کے بعد بقیہ اوقات میں ان کا سب سے زیادہ دلچسپ مشغلہ مسلمانوں کے علمی و مذہبی ترقی کی تکمیل ہوگی،

اپریل ۱۹۲۷ء کے شذرات میں ایک اصلاحی مسئلہ کے متعلق احمد عثمان صاحب ہمارے دلچسپی کا جو خط معارف میں شائع ہوا تھا اب وہ اس خط کے لکھنے سے انکار کرتے ہیں اور اسکی تردید کرانا چاہتے ہیں، اور اگر وہ خط ان کا نہیں ہے، اور انکی جانب سے کسی دوسرے شخص نے رد نہ کیا ہے تو ہمکو بھی اس کی تردید کرنے میں کوئی تامل نہیں ہے، لیکن خط کی تردید کرنے سے اصل واقعہ کی تردید نہیں ہو سکتی، اسلئے یا تو ادن کو خط کی تردید کے ساتھ اصل واقعہ کی بھی تردید کرنی چاہیے، ورنہ جیسا کہ معارف میں لکھا گیا ہے، اسکی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا چاہیے،

ہندوستان میں علوم قدیمہ و علوم جدیدہ کی جو درسگاہیں قائم ہیں، ان میں گونا گونا گونہ اختلاف یا کم از کم اتحاد نہ تھا۔ نندوہ درمیانی کڑی بنکر دونوں کو ایک شیرازہ میں منسلک کرنا چاہتا تھا، لیکن قریب سے بکواسٹ تک اس میں کیا بیہوش ہوئی بلکہ وہ خود ایک تیسرفی بن گیا لیکن جب کہ نندوہ کے فارغ التحصیل طلبہ نے اپنی علمی قابلیت اور قومی خدمت کی بدولت ملک میں اپنا عام اعتماد قائم کر لیا ہے، اور موجودہ یونیورسٹیوں میں علوم اسلامیہ کی تکمیل کی طرف توجہ مبذول کی جانے لگی ہے، دونوں قسم کی درسگاہوں میں اتحاد کے آثار نظر آنے لگے ہیں، چنانچہ صاحبزادہ آفتاب احمد خان نے سہیل میں علوم اسلامیہ کے عنوان سے ایک مفصل مضمون لکھا ہے جس کے اخیر میں وہ تحریر فرماتے ہیں،

اس قسم کی استعداد ہماری درسگاہوں میں اس اعلیٰ پیمانے پر حاصل نہیں کیجاتی جو لکھنؤ اور دیوبند کے مدارس میں حاصل ہوتی ہے، لہذا تجویز یہ ہے کہ کوئی صورت ایسی نکالی جائے جس سے وہ بہترین پیداوار جو لکھنؤ اور دیوبند سے نکلتی ہیں کسی طور پر بروئے کار لائی جاسکے مثلاً دیوبند اور نندوہ کے طلباء جو عربی ادب و السنہ اور علوم مشرقی میں اچھی استعداد رکھتے ہیں، اگر ان میں سے قابل ترین افراد کو موقع دیا جائے کہ وہ ہماری درسگاہوں اور جدید تعلیمات و تحقیقات کے ماحول میں رہ کر تعلیم حاصل کر سکیں اور اس کے لیے ہماری یونیورسٹی سامان و سہولت فراہم کرے تو اس کا نتیجہ نہایت طمانیت بخش ہوگا، جواب تک میسر نہیں آسکا ہے بہر حال دیوبند اور نندوہ اور اس قسم کی تمام دیگر درسگاہیں اس یونیورسٹی کے مانند قوم ہی کی ہیں ان مختلف درسگاہوں کا اتحاد اور اشتراک عمل جان تک کہ مختلف حالات اور واقعات کے تحت ان کا امکان ہے، ظاہر ہے ہر طور پر پسند اور قابل آزمائش ہے

دیوبند کا حال ہم کو معلوم نہیں، لیکن نندوہ کے فارغ التحصیل طلباء میں ایک بڑی تعداد نندوہ کی تعلیم سے فارغ ہو کر انگریزی زبان کی تکمیل کر چکی ہے، اور ایک بڑی تعداد انگریزی کی تعلیم میں مصروف ہے، اگر مسلم یونیورسٹی نے نندوہ کے فارغ التحصیل طلباء کے لیے اس قسم کی آسانیاں پیدا کیں جس سے وہ آزادی کے ساتھ اپنی تعلیم کی تکمیل کر سکے، تو ہم کو یقین ہے کہ طلبائے نندوہ کی ایک بڑی تعداد اس سہولت سے فائدہ اٹھائے گی، اور اس طور پر نہ صرف ہمارے قدیم و جدید درسگاہوں میں اتحاد ہوگا بلکہ مشرقی و مغربی علوم کی سرحدیں بھی باہم مل جائیں گی،

ہدایت روشنی کی بات ہے کہ نواب عماد الملک مرحوم کی سوانح نگاری کی خدمت مولوی سید ہاشم ندوی رکن دائرۃ المعارف کے سپرد کی گئی ہے جسکو خود نواب صاحب مرحوم نے اپنی زندگی ہی میں اسکی اجازت دی تھی،

مولوی صاحب موصوف نندوہ کے ایک قابل فرزند ہیں، اور مدتوں نواب صاحب کے شرف خدمت سے مستفیض ہوتے رہے ہیں، اس لحاظ سے ادنیٰ ذاتی واقفیت کی بنا پر بھی اگرچہ یہ سوانح عمری نہایت جامع و مستند ہوگی، لیکن نواب ہمدی یار جنگ نے فرید معلومات حاصل کرنے کے لیے مشیر و کن میں یہ اعلان بھی کر دیا ہے، کہ جن صاحبوں کے پاس نواب صاحب کے سوانح سے متعلق مواد موجود ہو یا ان کو واقعات یاد ہوں وہ ان کی خدمت میں بھیج دیں جسکو وہ نہایت شکرگزاری کے ساتھ قبول کریں گے،

امید ہے کہ اس اعلان کے بعد نواب صاحب کے سوانح کا تمام متفرق ذخیرہ فراہم ہو جائیگا اور عنقریب اردو زبان میں ایک ضروری اور اہم سوانح عمری کا اضافہ ہوگا،

موتر قاهرہ میں، رذیقہ ۳۲۳ مطابق ۱۹ مئی ۱۹۲۶ء کے اجلاس میں خلافت کے وجود شرعی کے متعلق یہ رزلوشن پاس کیا گیا کہ خلافت کا وجود شرعی اصول کے مطابق ممکن ہے اس لیے تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے ایسے وسائل اختیار کریں جن سے اسلامی جماعت میں کوئی تفریق و اختلاف نہ پیدا ہو،

لیکن اس کے حاصل کرنے کے لیے تمام عالم اسلام کی متفقہ رائے کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت صرف تمام دنیائے اسلام کی عام نمائندگی ہی سے پوری ہو سکتی ہے، لیکن اس موتر میں تمام دنیائے اسلام کے نمائندے شریک نہ ہو سکے، اس لیے اس رزلوشن میں یہ درخواست کی گئی ہو کہ تمام دنیائے اسلام کا یہ فرض ہے کہ موتر کے آئندہ جلسہ میں جو قاهرہ میں ہوگا اپنے اپنے نمائندے روانہ کریں جو ایک جگہ بیٹھ کر مشورہ کر سکیں کہ ایسی شرعی اور مستقیم الشریعہ خلافت کیونکر حاصل ہو سکتی ہے، لیکن موتر جواز کے تفصیلی حالات ابھی تک معلوم نہ ہو سکے، اگر یہ مقصد اس سے حاصل ہو گیا تو غالباً موتر قاهرہ کی ضرورت باقی نہ رہے گی،

ہندوستان کے اردو بولن میں گورنمنٹ کی طرف سے اردو تصنیفات کی کم از کم یہ قدر دانی تو کی جانی چاہیے کہ بہترین تصنیفات پر مصنفین کو سالانہ انعام دیا جاتا تھا، لیکن بد قسمتی سے ہمارا صوبہ متحدہ اس سے بھی محروم تھا، لیکن اب وزیر تعلیمات انریسل راجیشور بلی نے اس کی تلافی ایک اعلیٰ پیمانے پر کرنی چاہی، اور ایک ہندوستان اکاڈمی کے قائم کرنے کا ارادہ کیا ہے، لیکن ابھی تک خود گورنمنٹ کی طرف سے اس اکاڈمی کے متعلق کوئی اسکیم شائع نہیں ہوئی ہے، اس لیے یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ یہ اکاڈمی اردو زبان کی ترقی میں کس قدر مفید ہوگی،

معارف کے کسی گذشتہ شمارہ میں مرثیہ انسائیکلو پیڈیا کے ارکان کو ان کے اس دلازار رویہ کی طرف سے پہلے توجہ دلائی گئی تھی، جس میں انھوں نے پیئر اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر اپنی انسائیکلو پیڈیا میں بتایا کہ گستاخانہ حملے کئے تھے اور اس کے ایک پارہ (پیرا) کا ترجمہ بھی نقل کیا گیا تھا، اور اسی سلسلہ میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ مقالہ کے خیالات مستشرقین اور کرپشن مشنریز کے خیالات کا آئینہ ہیں، اور اظہار انفس کے بعد ارکان کو اس اصلاح کی طرف توجہ دلائی گئی تھی، اس شمارہ کے جواب میں اکوڑ (دبیر) کے ایک مسلمان نے مطلع کیا کہ ارکان انسائیکلو پیڈیا اس عبارت کے وجود سے انکار کرتے ہیں، اس کے جواب میں معارف نے اپریل کے شمارات میں اس صفحہ کا حوالہ دیا جس میں وہ عبارت درج ہے، اس استاد میں اسلامی اجازات بھی اس واقعہ سے گوش آشنا ہوئے اور بیہوشی وغیرہ کے مسلمانوں نے جلسہ عام میں ارکان انسائیکلو پیڈیا کے اس طرز عمل سے بیزاری ظاہر کی جب ارکان انسائیکلو پیڈیا نے اس واقعہ مسلمانوں میں عام مہمان دیکھا تو پھر انھوں نے بھی لب کشائی کی ضرورت محسوس کی، چنانچہ کچھ دن گزرے کہ جناب شریدہ دی کتھار نے جو انسائیکلو پیڈیا کے ایڈیٹر ہیں، بمبئی کرائیکل میں اس حصہ کے وجود کا اقرار کرتے ہوئے معارف کے اسی خیال کی تصدیق کی کہ میں نے رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات جو صفحہ ۳۳ جلد میں درج کئے ہیں وہ پروفیسر مارگولیتھ کی کتاب انسائیکلو پیڈیا آف ریجن اینڈ تھیکس سے ماخوذ ہیں، لیکن پروفیسر مارگولیتھ کے علمی تاریخی تحقیقات کا جو حال ہے اس پر معارف کے کسی گذشتہ مقالہ میں تفصیلی بحث کی جا چکی ہے، مگر حیرت تو یہ ہے کہ یہ کیسا شان تحقیق ہے کہ سرزمین ہند میں بیٹھ کر ایک ایسے مذہب کے متعلق جس کے پیروں کی چوتھائی آبادی ہندوستان میں ہے اور پورے ایک نہایت مدلس اور مستعصب مورخ سے معلومات حاصل کی جاتی ہیں حالانکہ اسی سرزمین میں بعض علمی مجلسیں مخصوص فن سیرت کے متعلق کام کر رہی ہیں، اور یہ مقدس کام ابھی تک جاری ہے، لیکن بہر حال اشک شوکی کے لیے یہ کیا کم ہے کہ جناب مقالہ نگار آخر میں لکھتے ہیں، "اگر کوئی عربی دان مسلمان مورخ پروفیسر مذکور کی تحریر کا معقول جواب دے اور تشفی کر دے تو میں وہ حصہ حذف کر دوں گا" اگر یہ فقرے صدق دل سے لکھے گئے ہیں تو نہایت آسانی سے اس کی تعمیل ہو سکتی ہے،

مقالہ

نواب عماد الملک مولانا سید حسین بکرمی حرم

مسلمانوں میں آج بہت سے لوگ ہیں جو مغربی علوم میں مہارت رکھتے ہیں، بہت سے لوگ ہیں جو قدیم مشرقی علوم سے واقف ہیں، اور بہت سے لوگ ہیں جو سیاست و تدبیر کے مرد میدان ہیں، لیکن صرف نواب عماد الملک ایک ایسے بزرگ تھے جو ان سب کا مجموعہ تھے۔ ایسے ان کی وفات سے اس قطعہ الرجال میں جو جگہ خالی ہوئی ہے وہ مدتوں خالی رہی اور اسلامی جماعت کے تمام حلقوں میں ایک مدت تک ان کی وفات پر ماتم کیا جائے گا،

نواب صاحب مرحوم کا خاندان اودھ کے مشہور مردم خیر قصبہ بگرام سے تعلق رکھتا ہے، لیکن وہ ضلع گیا میں پیدا ہوئے، اور چودہ پندرہ سال کی عمر تک خانگی مکتب میں اپنے خاندانی علم عربی و فارسی کی تحصیل کی، اور ان علوم سے فارغ ہو کر انگریزی زبان اور مغربی علوم کی طرف متوجہ ہوئے اور پہلے بھاگلپور میں، پھر پٹنہ میں اور اس کے بعد کلکتہ کے انگریزی مدارس میں تعلیم پا کر ۱۸۶۱ء میں ان کے ساتھ فرسٹ گریڈ میں بی۔ اے پاس کیا، تعلیم سے فارغ ہو کر اپنے علمی ذوق کی وجہ سے ملازمت کے لیے فکری تعلیمات کو پسند کیا، اور کیننگ کا بج لکھنؤ میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے، لیکن ۱۸۶۲ء میں جب مدرالمہام دولت آصفیہ نظام سرسار جنگ بہادر عظیم سیاحت کرتے ہوئے وارد لکھنؤ ہوئے تو جنرل بارون نے ان سے نواب صاحب کو ملایا اور ان کی ذاتی و علمی خوبیاں بیان کیں، چنانچہ وہ ان کے گرویدہ

ہو گئے اور انکو سرکار نظام کی ملازمت کا شوق دلایا، اور وہ ۱۸۶۳ء میں حیدرآباد پہنچ کر سرسار جنگ کے پرسنل اسٹنٹ مقرر ہوئے، ۱۸۶۵ء تک یہی خدمت انجام دی اس کے بعد سرسار جنگ سرگودھ پور سپر وائس آفیسر تو ان کو اپنا پرائیویٹ سکریٹری اور متعدد صیغہ متفرقات مقرر کیا، جہاں سررشتہ تعلیم اور متعدد چھوٹے چھوٹے محکمے شامل تھے، اس کے بعد جب حضور پر نور نواب میر محبوب علی خان بہادر سندھ آرا سے سلطنت ہوئے تو نواب صاحب کو اپنا پرائیویٹ سکریٹری مقرر فرما کر علی یار خان موتمن جنگ بہادر کا خطاب عطا فرمایا اور چند سال کے بعد ان کو عماد الدولہ اور پھر عماد الملک کے خطابات عطا ہوئے پھر ۱۸۷۰ء کے بعد وہ ناظم تعلیمات مقرر ہوئے، اس کے بعد ان کو گورنمنٹ نے ۱۸۷۱ء میں مجلس وضع قوانین کارکن نامزد کیا، پھر چند سال کے بعد جب اصلاحات مارے نافذ ہوئیں تو وہ وزیر ہند کی مجلس کے رکن منتخب کئے گئے اور ۱۸۷۹ء سے ۱۸۸۰ء تک اس معزز منصب پر سرفراز رہے، اسی زمانہ میں انکو سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب اور تمغہ ملا، اس مجلس کی رکنیت سے بوجہ علالت دست بردار ہو کر واپس تشریف لائے، تو ان کو مدرالمہام نواب سالار جنگ ثالث کی مدد کے لیے مشیرالمہام مقرر کیا گیا اور اس عہدہ سے علیحدہ ہونے کے بعد اگرچہ انھوں نے پھر کوئی سرکاری خدمت قبول نہیں کی، لیکن اعلیٰ حضرت شہر یار دکن کی نگاہ میں ان کا اعزاز ہمیشہ قائم رہا،

نواب صاحب مرحوم کی زندگی کے یہ تمام پہلو اگرچہ دنیوی حیثیت سے نہایت روشن و نمایاں ہیں لیکن ہم معارف کے صفحات میں ان کا ماتم اسلئے کرتے ہیں کہ ان دنیوی اعزازات و مشاغل نے انکی علمی شان میں کوئی فرق پیدا نہیں کیا، چنانچہ عربی شعراء کے کلام پر ان کو نہایت عبور تھا، اور شعرا جاہلیت کے سادہ اشعار کو نہایت پسند کرتے تھے، انگریزی بھی نہایت سادہ اور سہل متنع لکھتے تھے، اور نہ صرف انگریزی نشرین کمال رکھتے تھے، بلکہ انگریزی کے بہت بڑے شاعر بھی تھے اخیر عمر میں قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ بھی شروع کیا تھا جو سولہ پارہ تک ہو کر ضعف بصارت و علالت کی وجہ سے رک گیا

اس ترجمہ میں بالکل بائیس کی زبان اختیار کی ہے، انگریزی کے علاوہ فرانسیسی زبان کے بھی ماہر تھے اور اس سے بے تکلف ترجمہ کر سکتے تھے، بنگالہ میں نشوونما ہونے کی وجہ سے بنگالی زبان بھی بے تکلف ہوتے تھے، ان علمی کمالات نے ان کے اخلاق و معاشرت پر بھی نہایت نمایاں اثر ڈالا تھا چنانچہ وہ ہمیشہ علم و فضلاء کے قدردان رہے اور ان کو ایک عالم یا طالب علم کی صحبت میں چاہے وہ کتنی ہی کم حیثیت کیون نہ ہو بڑا لطیف آتا تھا، طرز معاشرت بالکل عالمانہ و سادہ تھی، ظاہری حیثیت سے اگرچہ وہ ایک شاندار کوٹھی میں رہتے تھے، لیکن جب غلی بالطبع ہوتے تھے تو کتا بون کے ڈھیر کے درمیان کسی بوریا یا دی پر بیٹھ کر کسی مسئلہ کی تحقیق یا کسی تاریخی واقعہ پر گفتگو کرتے ہوئے نظر آتے تھے،

شرقی مغربی علوم و فنون کے اجتماع کی بنا پر ندوہ سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے، چنانچہ انھوں نے ندوہ کو اپنا قیمتی انگریزی کتب خانہ عطا فرمایا، اور ہر موقع پر طلبائے ندوہ کی سرپرستی و قدردانی کرتے رہے، آج دارالمرآۃ المعارف حیدرآباد میں ندوہ کے جو فارغ التحصیل طلباء کام کر رہے ہیں، وہ ان کی اس قدردانی و سرپرستی کے مشکور و معترف ہیں،

ایک علمی مرکز ہونے کی حیثیت سے انھوں نے دارالمصنفین کے ساتھ ابتدا ہی سے اپنا شغف قائم کیا اور اخیر زندگی تک قائم رکھا، چنانچہ دارالمصنفین قائم ہوا تو انھوں نے اس کے لیے سالانہ ایک رقم مقرر فرمائی، اور لکھا کہ دارالمصنفین پہلا انسٹیٹوشن ہے جس کے لیے میں یہ مستقل رقم مقرر کرتا ہوں، لیکن ہائیم چونکہ یہ رقم ان کے حوصلے کے مطابق نہ تھی اس لیے اس پر ہمیشہ تاسف و ندامت کا اظہار کرتے رہے، اس کے علاوہ اس شخص کے اور بھی متعدد شواہد موجود ہیں، مثلاً ہمیشہ معارف کا بالاستیعاب مطالعہ فرماتے تھے دارالمصنفین کی تصنیفات جب ان کی خدمت میں بھیجی جاتی تھیں تو ان کو لازمی طور پر پڑھتے تھے، اور اگر تصنیفات و حالات کی وجہ سے خود نہیں پڑھ سکتے تھے تو دوسروں سے پڑھوا کر سنتے تھے، اور ان تصنیفات کے پیچھے جو خط لکھتے تھے اس میں انکی داد دیتے تھے، اور اپنی مسرت کا اظہار کرتے تھے، افسوس ہے کہ مولانا سید سلیمان

صاحب ندوی اس وقت موجود نہیں ہیں ورنہ ہم ان کے خطوط کے متعدد اقتباسات نقل کر سکتے جن سے اونکی اس ولایت و نری اور دلچسپی کا واضح طور پر اظہار ہوتا، علمی حیثیت سے اونکی سب سے بڑی یادگار مجلس دارالمرآۃ حیدرآباد ہے، جو ہندوستان میں اپنے قسم کی پہلی یادگار ہے، آج ہندوستان میں عربی زبان کی قدیم و نادر کتابوں کی طبع و اشاعت کا کوئی سامان نہیں ہے، جدید تعلیم یافتہ گروہ کو تو اس کی پروا ہی نہیں، لیکن قدیم تعلیم یافتہ جماعت نے بھی اسکی طرف توجہ نہیں کی، نواب صاحب مرحوم پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور حیدرآباد میں اس غرض کے لیے ایک مستقل انجمن دارالمرآۃ المعارف کے نام سے قائم کی جو ہر سال عربی کی نادر و نوجو کتابوں کو اڈٹ کر کے شائع کرتی ہے، چنانچہ ابھی حال ہی میں صدر حاکم اور مباحث مشرقیہ امام رازی جیسی اہم اور نادر الوجود کتا بین شائع ہو چکی ہیں اور متعدد نادر الوجود قلمی کتابوں کی تصحیح ہو رہی ہے،

نواب صاحب مرحوم کی یہ ایک ایسی یادگار ہے جو اگر مستقل طور پر قائم رہی، تو ہمیشہ علماء و فضلاء کو اپنا گرویدہ احسان رکھیں گی، اور اس سے ریاست حیدرآباد کے علمی وقارئین بھی نمایاں اضافہ ہو گا،

سیرالاضحا

سیرالاضحا یہ کا وہ حصہ جس میں انصار کرام رضی اللہ عنہم کے سوانح و حالات اور ان کے فضائل و کمالات مستند ذرائع سے بہ ترتیب حروف تہجی لکھے گئے ہیں، قیمت حصہ اول سے قیمت حصہ دوم تک

مینچر

عقیدہ

اور
اوس کے مصالح

از مولانا عبدالسلام صاحب ندوی

عرب جاہلیت میں جو رسمیں موجود تھیں ان میں بعض کو تو اسلام نے بالکل مٹا دیا، اور بعض کا جو حصہ قابل اصلاح تھا اسکی اصلاح کر دی، اور بقیہ حصہ کو بعینہ قائم رہنے دیا، صرف اہل عرب کی خصوصیت نہیں بلکہ جو باتیں دوسری قوموں اور دوسرے مذاہب میں موجود تھیں، اگر وہ تمدنی اغراض کے لیے مفید ثابت ہوئیں تو اسلام نے ان کو بھی قائم رکھا، مثلاً خراج اور عشر کے جو قوانین کینباد اور نو شیردان نے مقرر کئے تھے اسلام نے بھی اسی قسم کے قوانین مقرر کیے اور حدود و تعزیرات کے متعلق اسلام کا قانون بالکل تورات کے موافق ہے، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ بالنامہ میں ایک سرخی قائم کی ہے، آفاتہ الارتفاقات واصلاح الرسوم اور اس میں اس قسم کی متعدد مثالیں درج کر کے لکھتے ہیں،

وامثال هذا كثيرة جدا لا تحفى على المتبع
بل لو كنت فلنا محطايحي انب الاحكام
لعلت ايضا ان الانبياء عليهم السلام
لعبادتي العبادات غير ما عنكم
من نظيره لا لهم نفس التحليلات الجاهلية

اس قسم کی مثالیں یقیناً بہت ہیں جو تلاش و جستجو کرنے والوں سے مخفی نہیں، بلکہ اگر تم ذہین اور احکام کے اطراف و جوانب پر حادی ہو تو تم کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ انبیاء علیہم السلام عبادات کے متعلق بھی وہی باتیں لاتے ہیں جو بعینہ اہل عرب کی نظیر کی قومیں موجود تھیں البتہ انھوں نے جاہلیت

عقیدہ بھی ایک ایسی رسم ہے جو عرب جاہلیت میں موجود تھی اور اسلام نے بعض تغیرات کے ساتھ اسکو قائم رکھا، مثلاً جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ بچے کا عقیدہ کرتے تھے تو بکری کا خون اُس کے سر میں ملتے تھے، اسلام نے اس کی مانست کی اور بقیہ باتوں کو قائم رکھا، لیکن حدیثوں اور اسلامی تاریخوں سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اہل عرب میں یہ رسم خود ملت ابراہیمہ کی یادگار تھی یا انھوں نے اس کو خود ایجاد کر لیا تھا؟ یا کسی دوسری قوم سے اخذ کیا تھا؟ البتہ قرآن سے ان تمام احتمالات کی تائید کیجا سکتی ہے مثلاً زمانہ حج میں قربانی کیجاتی ہے اور سر کے بال منڈوائے جاتے ہیں، اور عقیدہ کی رسم کو ان دونوں باتوں سے مشابہت حاصل ہے، اس لیے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ رسم خود ملت ابراہیمہ کی یادگار ہوگی یا کم از کم اہل عرب نے حج کے ان مناسک کی مناسبت سے اس کو ایجاد کر لیا ہو گا، اس کے ساتھ مشہور مورخ ہیرڈن کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل مصر میں بھی اسی کے مشابہ ایک رسم یہ جاری تھی کہ جب وہ لوگ کسی دیوتا کے آگے منت مانستے تھے تو اس کو جانوروں کے ذبیحہ سے اس طرح پورا کرتے تھے کہ منت مانگتے وقت پیچے کے سر کو پورا یا نصف، یا تھائی منڈا دیتے تھے اور اس کے بعد ان بالوں کے برابر چاندی کی ایک مقدار تول کر اس جانور کے حلقہ کو دیدیتے تھے، جسکو لیکر وہ پھیلان خریدتا تھا اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس جانور کو کھلا دیتا تھا، ہمارے بعض تعلیم یافتہ دوستوں کا خیال ہے کہ ہندوؤں میں مونڈن کی جو رسم جاری ہے وہ بھی غالباً مصریوں کی اسی رسم سے ماخوذ ہے، کیونکہ تاریخی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں اور ہندوؤں میں قدیم تعلقات تھے، اور ان کے متعدد مراسم میں اتحاد پایا جاتا ہے مثلاً تعظیم بقر، تقسیم ذات وغیرہ اور رسول اللہ صلیم نے اپنے فرزند حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو عقیدہ کیا تھا اسکی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ حضرت ماریہ قبطیہ کے لڑکے تھے جو مصری تھیں اور رسول اللہ صلیم نے اس رسم کو بے ضرر اور غیر مت پرستانہ رسم خیال کر کے انھی کے مصری

لے ابوداؤد و کتاب الاصحاحی باب العقیدہ

طریقہ کے مطابق اس پر عمل کیا لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے اس کو کوئی اسلامی رسم قرار دیا لیکن حضرت ابراہیم کے عقیدے کی بحث آگے آگئی اس سے ثابت ہو جائے گا کہ ان کا عقیدہ بروایت صحیحہ ثابت نہیں اور اپنے ابو داد کے حوالے سے ادھر جس روایت کا خلاصہ نقل کیا ہے اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے پہلے عرب میں عقیدہ کا رواج موجود تھا، یہ ممکن ہے کہ خود اہل عرب نے اس رسم کو مصریوں سے اخذ کیا ہو، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بہر حال ایک عربی ہی رسم کی حیثیت سے قائم رکھا جو بے ضرر ہونے کے ساتھ متعدد حکم و مصالح پر مشتمل تھی چنانچہ شاولی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے من گھڑی عرب اپنی اولاد کا عقیدہ کرتے تھے اور وہ ان کے نزدیک نہایت ضروری اور سنت مقررہ

تھا جو کہ اس میں بہت سی مصلحتیں تھیں جبکہ تعلق مذہب، تمدن اور اخلاق سے تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو قائم رکھا، اس پر عمل فرمایا اور لوگوں کو اس کی ترغیب دی، مثلاً ان میں ایک مصلحت یہ ہے کہ لطیف طریقے سے لڑکے کے نسب کی اشاعت کی جائے، کیونکہ اسکی اشاعت ضروری ہے، تاکہ اس کے متعلق ایسی باتیں نہ کہی جائیں جسکو وہ پسند نہ کرتا، لیکن یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ایک شخص گلیوں میں گھوم گھوم کر یہ منادی کرے کہ میرے لڑکا پیدا ہوا ہے، اس لیے عقیدہ کے ذریعہ سے اس میں لطافت پیدا کی گئی، ایک مصلحت یہ ہے کہ جذبہ فیاضی کی پیروی اور جذبہ بغل کی نافرمانی کی جائے، ایک مصلحت یہ ہے کہ عیسائیوں کے بیان جب لڑکا پیدا ہوتا تھا تو اس کو زرد پانی سے رنگتے تھے اور اس کو تعمید کہتے تھے، اور ان کا قول تھا کہ اس کے ذریعہ سے لڑکا عیسائی ہو جاتا ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند فرمایا کہ ان کے اس فعل کے مقابل میں خنیفون (مسلمانوں) کا کوئی فعل بھی ایسا ہونا چاہیے جس سے معلوم ہو کہ لڑکا خنیفی اور ملت ابراہیمی و اسماعیلی کا پیرو ہے، اور ان دونوں پیغمبروں کے ساتھ جو افعال مخصوص اور ان کی اولاد میں درانتہ چلے آتے ہیں

وہ ہیں کہ انھوں نے اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا عزم کیا پھر خدا نے ان پر احسان کیا اور ایک ذبح عظیم کو ان کا خدیہ بنایا، اور ان کے شرک میں سب سے زیادہ مشہور حج ہے جس میں بال سنڈوانا اور قربانی کرنا داخل ہے، اس لیے اس میں ان دونوں کی مشابہت کرنا مناسب کی غفلت اور یہ منادی کرنا ہے کہ لڑکے کے ساتھ وہ طریقہ برتا گیا جو اس مذہب کے اعمال میں سے ہے، ساتویں دن کی تخصیص اس لیے ہے کہ ولادت اور عقیدہ کے درمیان فصل کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کے اعزہ ابتدا میں زچہ و بچہ کی اصلاح میں مشغول ہوتے ہیں اس لیے ان کو ایسی تکلیف نہیں دینی جو انکی مشغولیت کو اور بڑھادے نیز بہت سے لوگ بکرے کو بڑی محنت سے پاتے ہیں اس لیے اگر عقیدہ کو پہلے ہی دن سنون کر دیا جائے تو ان پر تنگی پڑ جائیگی، ...

سر کا بال سنڈوانا تو جیسا کہ ہم نے بیان کیا حاجیوں کی مشابہت کیلئے ہے، اور نام اس لیے رکھا جاتا ہے کہ اس سے پہلے لڑکے کو نام رکھنے کی ضرورت نہیں پیش آتی، چاندی کے خیرات کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لڑکا جب جنینیت سے طفلیت کی طرف منتقل ہوا تو یہ ایک احسان ہے جس کا شکریہ واجب ہو اور بہترین چیز جسکے ذریعہ سے یہ شکریہ ادا کیا جائے وہ خیر ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ وہ اس کا معاوضہ ہے اور چونکہ بچے کا بال نشاء جنینیکہ بقیہ ہے، اور اس کا مونڈ دینا نشاء طفلیہ کی علامت ہے، اس لیے یہ ضروری ہو کہ بال کے وزن کے برابر چاندی دینے کا حکم دیا جائے اور چاندی کی تخصیص اس لیے ہے کہ سونا قیمتی ہوتا ہے اور اس کو صرف دو تہمند پاسکتا ہے،

لیکن باہنہ احادیث میں عقیدہ کی عملی مثالیں بہت کم مذکور ہیں، صحابہ کرام کا دستور تھا کہ

جب ان کے بیان اولاد ہوتی تھی تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاتے تھے اور آپ اس کا نام رکھتے تھے اور کچھ رکھا کا ایک کچھ اجپا کر اس کے منہ میں ڈال دیتے تھے، جسکو اصطلاح میں تخنیک کہتے ہیں امام بخاری نے اس قسم کے متعدد واقعات نقل کیے ہیں لیکن ان حدیثوں میں سے کسی میں یہ تصریح نہیں ہے کہ ان بچوں کے حقیقے میں آپ نے شرکت فرمائی یا کم از کم ان کا حقیقہ کیا گیا،

بچے کی ولادت کی خوشی تو ہر شخص کو ہوتی ہے، لیکن اسلام کی تاریخ میں بعض مواقع ایسے پیش آئے کہ اس پر عام قومی مسرت کا اظہار کیا گیا، چنانچہ مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ میں گئے تو ان سے کہا گیا کہ یہ مدینہ نے تم پر جادو کر دیا ہے جس کے اثر سے تم لوگوں کے یہاں اولاد نہ ہوگی، اس لیے جب ہجرت کے بعد سب سے پہلے حضرت عبد بن زبیر پیدا ہوئے تو ان کی ولادت پر تمام مہاجرین کو مسرت ہوئی، لیکن باوجود اس عام قومی مسرت کے ان کا حقیقہ نہیں کیا گیا، امام بخاری نے کتاب الحقیقہ میں اس قسم کی متعدد حدیثوں کو نقل کر کے جو نتیجہ نکالا ہے، اسکی بنا پر یہ باب قائم کیا ہے،

باب تسمیۃ المولود عند انیولہ لمن لم یلق عنہ وتخنیک

باب اس دن لڑکے کے نام رکھنے کا جس روز وہ پیدا ہو اس شخص کے لیے جس نے اس کا حقیقہ نہیں کیا اور اسکی تخنیک کر لے گا،

بخاری کی ان حدیثوں میں ولادت کے پہلے ہی دن جن بچوں کے نام رکھے گئے اور انکی تخنیک لگائی ان کے نام ابراہیم بن ابی موسیٰ، عبد اللہ بن ابی طلحہ اور عبد اللہ بن زبیر ہیں، اور ان ناموں کو ان کے حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں،

فانہ لم یقل انہ عن احد منهم کیونکہ یہ منقول نہیں ہے کہ ان میں سے کسی کا حقیقہ کیا گیا،

فتح الباری جلد ۱۰ صفحہ ۵۰۰

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، محمد اسلام میں پیدا ہوئے ہیں اور حافظ ابن حجر نے انہی تین بچوں کے حقیقے میں انکو بھی شامل کر لیا ہے، بخاری اور مسلم میں بھی ان کی ولادت کا واقعہ مذکور ہے، لیکن اس میں بھی حقیقہ کی تصریح نہیں ہے، چنانچہ مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں،

عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انک کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کرتے تھے ولدت لہ فی اللیلۃ غلام فسمیہ باسم ابی میرے بچے پیدا ہوئے اور میں نے اپنے باپ ابراہیم کے نام پر اسکا نام ابراہیم رکھ دیا دفعہ اولی ام سیف ام لکین یقال رکھا پھر آپ نے اسکو ام سیف کے حوالہ کیا جو ایک دوہارہ بوسینہ لہ ابو سیف فانطلق یا تیہ واتبعدہ فانقضی الی کی بی بی تھیں (بطور دایہ ومرضہ کے) آپ ان کے یہاں چلے آئے ام سیف وہیں بیٹھ کر بکیرہ قد استلذت البیت اور میں بھی بیٹھ بیٹھ چلا، ہم ابو سیف کے یہاں پہنچے تو وہ دکانا فاسرعت المشی بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کو بچہ نکلتے تھے اور گھر و دعویٰ سے بھر گیا تھا، میں نے میری صلی اللہ علیہ وسلم فقلت یا ابا سیف کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے بڑھ کر کہا کہ اے ابو سید جابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رک جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں وہ رک گئے تو اپنے فاصک قد عا البنی صلی اللہ علیہ وسلم بچے کو طلب فرمایا اور اسکو لپٹا یا اور جو کچھ کہنا چاہا کہاری بالصبی فغضہ الیہ وقال ما شاء اللہ ان یقول پیار اور محبت کے الفاظ،

لیکن اہل سیر کا بیان ہے کہ آپ نے ساتویں دن ان کا حقیقہ کیا اس میں دو سیٹھ سے ذبح کیے ابوہند نے ان کا سر مونڈا آپ نے اسی دن ان کا نام رکھا ان کے بال کے برابر چاندی خیرات کی اور ان کے بال کو زمین میں دفن کر دیا، لیکن چونکہ یہ واقعہ مسلم و بخاری کی حدیث کے خلاف ہے، اس نے ازرقانی نے مواہب لدنیہ کی شرح میں لکھا ہے،

لے صحیح مسلم کتاب الفضائل باب رحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال وتواضعہ وفضل ذلک،

فقہی هذا الحديث الصحيح انه سماه صحيحه تو اس حدیث صحیح میں یہ ہے کہ اپنے ولادت کی صحیح ہی کو لکھا
الولادة في عارض ما ذكره اهل السيرته نام رکھا اسلئے اہل سیرت جو یہ بیان کیا ہے کہ اپنے ساتویں دن
سماہ یوم سابعہ وجمع بینہما بان التسمیۃ ان کا نام رکھا یہ اس کے معارض ہے، لیکن ان دونوں میں
کانت قبل السابغ کما فی حدیث انس یہ تطبیق دیا جاسکتی ہے کہ جیسا کہ انس کی اس حدیث میں ہے
هذا اثم ظهرت فيه ساتویں دن سے پہلے نام تو رکھ دیا گیا لیکن ساتویں دن اس کا اتمام ہوا

لیکن ہمارے نزدیک تطبیق کی ضرورت وہاں پڑتی ہے جہاں دو مسادی درجہ کی روایتوں میں
تعارض واقع ہو، لیکن بخاری و مسلم کی روایتوں کے مقابل میں اہل سیرت کی روایتوں کا کیا پایہ ہے؟
اسلئے یہ تطبیق غیر ضروری ہے، اور مسلم و بخاری ہی کی روایتوں کو اس معاملہ میں لازمی طور پر مرجع قرار
کرنا چاہیئے،

البتہ بخاری و مسلم کے علاوہ حدیث کی دوسری کتابوں میں یہ روایت موجود ہے کہ رسول اللہ
صلعم نے حضرت حن علیہ السلام کے عقیقہ میں ایک بکری ذبح کی، چنانچہ ترمذی کی ایک روایت میں ہے
کہ آپ نے ولادت کے دن حضرت حن علیہ السلام کے کان میں اذان کہی، امام ترمذی نے اس
واقعہ کو باسناد روایت کیا ہے، اور اسی کے ضمن میں لکھا ہے کہ یہ روایت بھی کیگئی ہے کہ آپ نے حضرت
حن علیہ السلام کے عقیقہ میں ایک بکری ذبح کی اور بعض اہل علم اس حدیث کی طرف گئے ہیں لیکن
اس موقع پر اس روایت کا سلسلہ اسناد نہیں بیان کیا ہے، دوسری حدیث اس سے زیادہ
مصرح ہے، اور اس میں سلسلہ اسناد بھی مذکور ہے، اس کے اخیر راوی ابو جعفر محمد بن علی بن یحییٰ ہیں

جو حضرت علی کریم اللہ وجہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے امام حن علیہ السلام کے عقیقہ
میں ایک بکری ذبح کی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ان کے سر کو مونڈ دو اور ان کے

بال کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرو تو میں نے وزن کیا تو وہ ایک درہم یا درہم کے کچھ حصے کے
برابر ہوئے، لیکن امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور
اسکی سند متصل نہیں ہے کیونکہ ابو جعفر محمد بن علی نے علی بن ابی طالب کا زمانہ نہیں پایا اس لیے
لازمی طور پر ان دونوں کے درمیان کا کوئی راوی چھوٹ گیا ہے جس کے متعلق ہم کو کچھ معلوم نہیں ہے
ابوداؤد کی روایت میں امام حسین علیہ السلام کا نام بھی شامل ہے، چنانچہ اس کے الفاظ میں
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رسول اللہ صلعم نے امام حن و حسین علیہما السلام کے عقیقہ
والحسین کیشا کیشا، میں ایک ایک مینڈھا ذبح کیا،

لیکن حافظ ابن حجر کے اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث بہت زیادہ قوی نہیں ہے
کیونکہ تمام روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ لڑکے کے عقیقہ میں دو بکرے یا دو مینڈھے ذبح کرنے
چاہئیں، اور اس حدیث میں صرف ایک مینڈھے کی تصریح ہے، چنانچہ وہ اس حدیث کے معارض
روایتوں کو نقل کر کے لکھتے ہیں،

وعلى تقدير ثبوت سواية ابى داود وفليس اور ابوداؤد کی روایت کے ثابت ہوجانے کے بعد بھی یہ حدیث
فی الحدیث ما یردیه الاحادیث المتواردة ان متوارد حدیثوں کی تردید نہیں کرتی جن میں یہ
فی النصیص، علی التنبیۃ للعلامہ تصریح ہے کہ لڑکے کے عقیقہ میں دو جانور ذبح کرنے چاہئیں
بل غایتہ ان یدل علی جواز الاقتصار انتہا سے انتہا اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک پر
اکتفا کرنا بھی جائز ہے،

ان تمام روایتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ

(۱) اسلام میں بہت سے بچے عہد نبوت میں پیدا ہوئے اور ان کا عقیقہ نہیں کیا گیا،

(۱۰) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ بروایت صحیحہ ثابت نہیں
(۱۱) حضرت حسین علیہ السلام کا عقیدہ بھی بہت زیادہ جدید اور قوی حدیثوں سے ثابت نہیں،
ان روایتوں کے بعد وہ حدیثیں جن میں عقیدہ کا عام حکم دیا گیا ہے، مثلاً،

عن الغلام شاتان مکاتئان وعن الجارية
کل غلام رهنیة بعقیدۃ تذبیحہ عندہ
یوم سابعہ ویحلق ویسی
روانے کے جانبیت دو کیسان بکریان اور لڑکی کی جانبیت بیک بکری
ہر لڑکا اپنے عقیدہ کے ساتھ گروہ ہے اس کے ساتھ
دن اس کی جانبیت ذبح کیا جائے، سر مونڈا جائے
اور نام رکھا جائے۔

یہ روایتیں ابو داؤد و ترمذی، نسائی اور حدیث کی عام کتابوں میں مذکور ہیں، لیکن امام بخاری
نے اس قسم کی حدیثوں کی روایت میں بھی نہایت احتیاط سے کام لیا ہے، یہاں تک کہ اسماعیلی کا قول ہے
لہ یخرج البخاری فی الباب حدیثاً صحیحاً علی بخاری نے اس باب میں اپنی شرط کے موافق کسی حدیث
صحیحہ کی روایت نہیں کی،

انہوں نے ایک باب باندھا ہے،

باب الماطۃ الاذی عن الصبی فی العقیقۃ عقیقہ میں لڑکے سے تکلیف یعنی بالون کا دور کرنا،

اور اس کے تحت میں ایک موقوف حدیث یہ لائے ہیں،

مع الغلام عقیقۃ لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے،

لیکن اس میں الماطۃ اذی یعنی بالون کے مونڈوانے کا ذکر نہیں،

دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں،

مع الغلام عقیقۃ فاہر یقرا عندہ وواطلوا لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے اور اس کی جانب سے ذبح کرو،

اور اس کی تکلیف یعنی بالون کو دور کرو،

لیکن یہ حدیث بھی بعض لوگوں کے نزدیک منقطع ہے، حقیقہ کی سب سے مصرح حدیث جس کے الفاظ میں
الغلام عقیقۃ تذبیحہ عندہ یوم النسا لڑکا اپنے عقیدہ کے ساتھ گروہ ہے، اس کی جانبیت سا قونین دن ذبح
کیا جائے اس کا سر مونڈا جائے اور نام رکھا جائے،

حضرت عمر بن عبد بن جندب کی سند سے مروی ہے، لیکن امام بخاری نے اس کے متعلق صرف اس قدر
روایت کی ہے کہ نجیب بن الشہید کا بیان ہے کہ مجھ کو ابن سیرین نے حکم دیا کہ حسن سے پوچھوں کہ انہوں
نے عقیقہ کی حدیث کس سے سنی امین نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ عمر بن عبد بن جندب سے، لیکن
اصل روایت کو نقل نہیں کیا ہے، جبکی نسبت ماقظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ چونکہ یہ روایت بہت مشہور
تھی اس لئے انہوں نے اس کی روایت ضروری نہیں سمجھی، احادیث کے بعد ائمہ کے اقوال و مذاہب میں
جن میں اصحاب الرائے اس کو سنت نہیں سمجھتے بلکہ امام ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ عقیقہ
جاہلیت کی ایک رسم تھی جس کو اسلام نے مٹا دیا، امام محمد کے نزدیک نہانہ جاہلیت اور ابتداء اسلام
میں عقیقہ کا رواج بے شبہ تھا، لیکن قربانی کی فرضیت نے اس کو منسوخ کر دیا، اس کے بخلاف اہل ظاہر
اور امام حسن بصری کے نزدیک وہ واجب ہے، لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ وہ ایک مستحب خیر ہے
اور امام شافعی نے اسی کو ایک معتدل روش قرار دیا ہے،

حَقِيقَةُ اِسْلَام

نواب سراج محمد حسین خان امین جنگ بہادر چیف سکریٹری گورنمنٹ نظام
کی نوٹس آف اسلام کا ترجمہ ہے، جس میں نئے انداز سے اسلام کی حقانیت اور
اس کا سائنس کے ساتھ تطابق دکھایا گیا ہے، کتاب قابل دید ہے، قیمت ۱۲
پینسز

عربوں کا علم طب شام میں

اور

یورپ کا اس سے استفادہ

مترجمہ بر مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی فاضل دارالافتاء

عربوں کی سلطنت میں علم طب کو خاص عروج حاصل ہوا، اطباء خاص وقت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور انھیں خلفاء کے دربار میں خاص اعزاز و اکرام حاصل تھا، وہ بعض خلفاء کے محل پر اور مشیر کار ہوتے تھے، انھیں خلعتوں سے سرفراز کیا جاتا تھا، اور اسی تناسب سے ان کے پاس دولت و ثروت کا ذخیرہ ہوتا تھا، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ جبرئیل بن بختیشوع نے اپنے بعد از قتل دولت چھوڑی کہ مرنے اس کے لڑکے عبید اللہ کو ۸۰۰۰۰ دینار یعنی تقریباً ۶۰۰۰۰ مصری پونڈ ملے، علاوہ ازیں جائداد غیر منقولہ میں چند گاؤں، باغ، اور متعدد عالیشان محل وراثت میں ملے تھے،

سلطنت میں یہ قانون جاری تھا کہ طلبہ مختلف علوم و فنون کی تحصیل کے ساتھ علم طب اور تشریح کو بھی ضرور حاصل کریں، یہی وجہ ہے کہ شام کے طبیبوں میں تحصیل علم کا ایک خاص ذوق پیدا ہو گیا تھا، وہ علم کے بلے متعدد سفر کرتے تھے لیکن سفر کی درازی، اس کے مصائب اور اپنی زبانوں کی تحصیل میں پیش آنے والی دشواریاں ان کے علمی ذوق کے پورا کرنے میں سدا

لہذا مغز انہیں فطرتاً ہی توفیق مودعہ اللہ بابت تاریخ مشرق

ہیں ہوتی تھیں، چنانچہ اسحاق ابن حنین — جسکی کتاب میں ازمنہ وسطیٰ میں بھی درس طبیہ کی بنیاد رکھی گئی — اسی شام کے باد یہ سے اٹھا اور پہلے یوحنا بن ماسویہ سے جو یورپ میں M ISSUES کے نام سے مشہور ہے، تعلیم حاصل کی، اس کے بعد ایران، پھر یونان کا سفر کیا، اور ان دونوں مقامات پر وہاں کی زبانیں سیکھ کر وہاں کے ممتاز اساتذہ سے مختلف علوم کی تکمیل کی جب اسے علوم طبیہ میں کافی دستگاہ حاصل ہو گئی تو اس نے ان تین اسکولوں کی طرف توجہ کی جو اس کے زمانہ میں بقراط، افلاطون، اور جالینوس کے نام سے رائج تھے، اسحاق نے پہلے ان اسکولوں میں باہم موازنہ کیا، پھر ہر اسکول کی مختلف کتابوں میں سے بعض کتابوں کے ترجمے کئے اور بعض کی شرحیں لکھیں، اس کے بعد ان ترجموں اور شرحوں پر دیگر جدید تجربوں اور نظریوں کا اضافہ کرنے کے ساتھ ان اسکولوں کے بہت سے غلط نظریوں کی تصحیح بھی کی، پھر مختلف مباحث مثل علم طب، حفظان صحت، شفا، امراض، اور تندرست ہو جانے کے بعد قوت حاصل کرنے کے طریقوں وغیرہ پر متعدد کتابیں لکھیں، چنانچہ قرون وسطیٰ تک یہی کتابیں یورپ اور ایشیا کے طبی مدرسوں کے نصاب میں داخل تھیں، یہاں تک کہ اسکندریہ کے مشہور ترین مدرسہ طبیہ کا نصاب بھی انھیں کتابوں پر مشتمل تھا،

کیمیا

علم کیمیا علماء عرب کا رہن منت ہے کہ انھوں نے کیمیا کے ایسے بیشتر اجزاء کا اکتشاف کیا ہے جو اس وقت بہت سے معاجون کی بنیاد ہیں، یورپ ان علماء میں سے جابر بن حیان کو کیمیا کا کشف خیال کرتا ہے، اسے انگلستان کا مشہور فلسفی بکن (Bacon) "استاذ الاساتذہ" کا لقب دیتا ہے، اور یورپ کا مشہور ریاضی دان کارڈن (CORDON) اسے ان بارہ ماہرین کی صف میں داخل کرتا ہے جو اپنے علم و فن کے لحاظ سے دنیا میں سب سے زیادہ بلند مرتبہ ہیں

یہ واقعہ ہے کہ علم کیمیا جابر بن حیان کے اسانات بہت زیادہ ہیں۔ مثلاً اسی نے عرق کشی بھاپ کا
اٹھنا، گھوڑا اُڈات سو دیم (نمک) پارہ اندر شراب اور شوریٹ رکھنے والی بوتلیوں میں بنات طبع
وغیرہ کا اکتشاف کیا تھا۔ اور یہ نظریہ اسی کا دریافت کیا ہوا ہے کہ حرارت کے ذریعہ سے اجسام زیادہ
نقیں کے چا سکے ہیں اور موسی کے پگھلانے کا طریقہ بھی اسی نے سب سے پہلی مرتبہ معلوم کیا ہے
جابر بن حیان کے بعد ابو جبر الرازی کا دور آتا ہے جسے اہل مغرب PHASES
کے نام سے یاد کرتے ہیں اس نے نشہ آور اشیاء کی عرق کشی کر کے اسپرٹ تیار کرنے کا طریقہ کشف
کیا۔ اور اسی کی طرف گندھک اور چوڑے کا اکتشاف بھی منسوب ہے۔

گستاویان کہتا ہے عربوں کے علم کیمیا میں غیر ضروری اجزاء کی آمیزش ہو گئی جیسے
ان کا علم نجوم، علم تنجیم سے مل جل گیا، لیکن یہ اختلاط ان کے عظیم الشان اکتشافات میں مانع نہیں
ہوئے کہ یونان کے علوم کیمیا ان لوگوں تک جو کچھ پہنچے وہ نہایت قلیل تھے کیونکہ بہت سے
اہم اجسام مثل اسپرٹ، الحامض الشری، الماء الملیکی، ملح امونیاک، نترات الفسفہ، ہر تال، بورہ
پاڑی لونی وغیرہ سے یونانی قطعاً نا بلد تھے، ان مذکورہ بالا اجسام کے علاوہ عربوں نے اور بہت
سے کیمیائی عملیات اکتشاف کئے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ علم کیمیا کا موجد لائوسیر (LAVOISIER)
ہے، تعجب ہے کہ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ عربوں کے پاس تقریباً ایک ہزار برس سے بہت سے ایسے
محال کا پتہ چلتا ہے جس سے برابر اکتشافات ہوتے رہے ہیں اگر وہ اکتشافات پیشتر نہ گزر چکے ہوتے
تو لائوسیر جدید اکتشافات میں کیونکر کامیاب ہو سکتا تھا۔

موسیویان کی طرح اور بہت سے مغربی مؤلفین ہیں جو معترف ہیں کہ عربوں کو اہل مغرب پر یہ فاضل
فضیلت حاصل ہے کہ انھوں نے، یہ نہایت اہم اجسام کیمیائی کا اکتشاف کیا ہے، جو موجودہ
علم کیمیا کی اہل واساس ہیں، انھیں اعتراف ہے کہ انھی لوگوں نے سب سے پہلی مرتبہ ترکیب عناصر کی

کوشش کی، اور یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے سب سے پہلی مرتبہ چونا اور بلور وغیرہ بنانے میں کامیاب ہوئے
غرض عرب علم کیمیا میں دوسری قوموں کی بہ نسبت زیادہ وسیع نظر تھے اور اسی لیے انکو
فن شفا میں دوسری قوموں پر تفوق حاصل ہے، انھیں سخت انوس ہے کہ ان کی تصانیف کا زیادہ
ذخیرہ ہمارے ہاتھوں سے ضائع ہو گیا، تاہم ان کے علم کے اعتراف کے لیے یہی کیا کم ہے کہ
انھوں نے بہت سی ایسی دوائیاں دریافت کی ہیں جن سے ان کے پیشرو قطعاً نا بلد تھے اور ہم چنانچہ
صاف الفاظ میں اعتراف کرتے ہیں کہ انھی نے علم صیدلہ (کمپونڈری) کی بھی بنا ڈالی تھی، اور انھی کو پینٹ
بھی حاصل ہے کہ دوائیوں کی ترکیب کے قواعد وضع کیے۔

ساتویں صدی میں ساہور بن پہل نے کمپونڈری کی تعلیم کے لیے سب سے پہلا اسکول دارالاصیدر قائم
کیا، اس زمانہ میں اسی مدرسہ میں کمپونڈری کی تعلیم دی جاتی، پھر دوسرا مدرسہ امین الدولہ متوفی ۵۷۰
نے قائم کیا، پھر ابن سینا والا مدرسہ ہے، اس کے بعد ابن تیمیہ کا مدرسہ ہے، تیسرے عربوں صدی تک لوگ
انھیں طریقوں پر کار بند رہے اس کے بعد آخر میں ابن رشد کا مدرسہ آتا ہے۔
غرض عربوں نے کمپونڈری میں بہت سے اصول و قواعد منضبط کئے تھے جنہیں سے شریعت
شد، گوند، تیل، مرہم، خوشبو، اور ڈسٹل و اٹر، وغیرہ پر ہم آج تک عمل پیرا ہیں۔

ان حقائق پر یہ مستزاد ہے کہ عربوں ہی نے کیمیا، صناعیہ میں بھی وسعت پیدا کی، عام اوزن
کہ بعض لوگوں کی جو رائے ہوں، لیکن ہم ان کے مختلف فنون مثلاً کان کنی، رنگ سازی، مینا کاری،
صنعت زجاج، اور ان کے فولاد کی صنعت کو بھی فراموش نہیں کر سکتے،

علم النبات

علم نبات جو علم کیمیا کی طرح علم طب کا ایک جزو اعظم ہے، امراض مختلفہ کو زائل کرنے میں بہت
معاون ہوتا ہے، شاہی عربوں نے علم نبات کے نہایت اہم اجزاء، دریافت کر کے اسے معراج کمال

تھا قیرطیہ ہے جس کا لاطینی میں ترجمہ کیا جا چکا ہے اس کتاب کے فز کے لیے یہ کافی ہے کہ صرف سولہویں
صدی میں جیسے مرتبہ اسکی طباعت ہوئی، لاطینی کے ترجمہ میں اس کا نام *Dei impoliticium*
رکھا گیا ہے، اور درحقیقت آج ہم جسے مادہ طبیہ (*Materia medica*) سے تعبیر
کرتے ہیں، اس کا اساس ہی تصنیف ہے،

پھر رشید الدین الصوری کا تذکرہ کرنا ہے جو کتاب الادویہ کا مصنف ہے، یہ اپنے علمی سفر میں
جو اکثر شام و لبنان میں ہوتے تھے کسی بہترین مصور کو اپنے ساتھ رکھتا تھا جو نہایت توجہ اور وقت نظر
سے ان پودوں کی تصویریں کھینچتا جسکی جستجو میں وہ نکلتا تھا، یادہ جنہیں اپنے سفر میں اکٹھا کرتا تھا
اور سب آخر میں ہم بوزکریا شیبلی کا تذکرہ کریں گے، جس نے اس فن میں نہایت نایاب اور بیش بہا
کتاب چھوڑی ہے جس سے مختلف پودوں کی تاثیر اور ان کے لگانے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے،
ہم نے ماہرین سے رپوند، جوزبوا، خوشبویات، کافورا اور شیرہندی وغیرہ کے استعمال کا طریقہ
سیکھا، ان چیزوں کے علاوہ اور بھی چیزیں ہیں جنکا تذکرہ طویل ہے،

شفا خانے،

اُس قدیم زمانہ میں بھی طب کے فطری و علمی اسباق شفا خانوں میں پڑھائے جاتے تھے، اور
آج ہی کی طرح ان شفا خانوں سے ایک طرف مریض فائدہ اٹھاتے تھے اور دوسری طرف وہی شفا
علم طب کے طلبہ کے مدرسے بھی ہوتے تھے، بلکہ اُس زمانہ کے طلبہ ضخیم کتابوں پر زیادہ اعتماد کرنے کے بجائے
مریضوں کے بستروں سے تحصیل علم کرتے تھے، لیکن یورپ کے سامنے نقش قدم موجود ہونے کے باوجود
وہ سولہویں صدی تک اپنے طلبہ کو اس طریقہ پر تعلیم نہ دیا،

عربوں کے تعمیر کردہ شفا خانوں میں متعدد منزلیں ہوتی تھیں اور ہر منزل میں ہر فن کی جدا جدا
تعلیم دی جاتی تھی، چنانچہ نور الدین نے دمشق میں جو ہسپتال قائم کیا تھا وہ ایک سال میں دس لاکھ

تک پہنچا، اگرچہ وہ حکماء یونان جالینوس وغیرہ کی تصانیف پر اکتفا کرنے کے بجائے جڑی بوٹیوں
کی طرف متوجہ ہوئے اور انہی کے ذریعہ تجربے حاصل کرنے لگے، بلکہ وہ تحقیقات کرتے ہوئے حدود
سے گذر کر یونان، مصر، اور دوسرے ملکوں میں پہنچ گئے، اور ہر جگہ سے کثیر معلومات حاصل کر کے
حدود شام میں واپس آئے، اور واپسی کے بعد مشاہدہ کے ذریعہ اس علم کے تجربے حاصل کرنے کیلئے
نباتات کے باغ لگاؤ گئے، جنہیں ہر قسم کے نباتات جمع کئے گئے، اور وہ وہاں نباتات کی خاص نگہ رانی کرتے
اور ان کے خواص و تاثیر وغیرہ دریافت کرتے اور پھر انہیں اپنے کام میں لاتے تھے،

اب ہم ذیل میں ان لوگوں کے چند نام درج کرتے ہیں جنکی اس فن پر بیش بہا کتابیں لاطینی
زبان میں ترجمہ ہوئیں اور یورپ میں مدت ہائے دراز تک صرف وہی کتابیں طبی سرمایہ سمجھی جاتی
رہیں تاریخی اعتبار سے سب پہلے *ہیپسین بن باسیل* کا نام آتا ہے، پھر *راہب نیقولاد مشقی* پھر *ابن
بیطار* ہے، اور یہی ابن بیطار سب زیادہ شہرہ آفاق حیثیت رکھتا ہے، اس کی ایک ایسی تصنیف ہے
جو بہت زمانہ تک یورپ میں طلبہ کا مرجع رہ چکی ہے، اور اس کے نسخے آئندہ بھی ہمارے پاس ہمیشہ موجود
رہیں گے، اور اس وقت بھی گیت، لیڈن، لندن، اسکس فورڈ اور پیرس میں محفوظ ہیں، اسکی ایک اور
مندیہ کتاب جامع مفردات الادویہ والاغذیہ ہے جو لاطینی میں *Medicamentorum*
et ciborum coactio کے نام سے منقول کی گئی، اور *سین فرانسس* زبانی
میں *Traite des Simples* کے نام سے اس کا ترجمہ ہوا، اور اس کے بعد مشاہیر
میں جرمنی زبان میں منقول ہوئی، *الکارک* (*ecclars*) ابن بیطار کی تصنیف کے متعلق کہتا ہے
دیو ستوریس کے عہد سے یورپ کی بیداری تک جامع مفردات الادویہ والاغذیہ کے مشاہیر
کوئی کتاب نہیں پائی گئی،

اس کے بعد مونیخ الہ مشقی الصغیر (*Majoris de junior*) ہے، اس کی ایک کتاب

درہم میں تیار ہوا تھا، اور اس کے سالانہ اخراجات تقریباً پچاس ہزار مصری پونڈ تھے، یہ ہسپتال صرف
غریبوں کے لیے مخصوص نہ تھا، بلکہ اس میں ہر قسم کا انتظام موجود تھا، جس سے ہر طبقہ کے لوگ فائدہ اٹھاتے
تھے اور خصوصاً غریبوں کے علاج کا ایک جداگانہ نظام قائم تھا، انہیں متعدد کمرے مختلف مصروف کے لیے
بنائے گئے تھے، کسی میں صرف بیمار کے مریض رہتے، چند کمرے آپریشن کے لیے مخصوص تھے، کسی میں
انکھوں کا علاج کیا جاتا تھا، اسی طرح اور دوسری بیماریوں کے لیے متعدد کمرے علیحدہ تعمیر کئے گئے
تھے، علاوہ ازیں چند کمرے تعلیم کے لیے مخصوص تھے، چند کمرے میں کچھ نڈری کی تعلیم دی جاتی تھی
اور چند کمرے صرف ڈسپنسنگ روم (مخزن ادویہ) کے طور پر کام میں آتے تھے، اسی طرح نسخے لکھنے
کے لیے چند کمرے مخصوص تھے جن میں وہ مریض اگر نسخے لیجاتے جو ہسپتال میں داخل نہیں ہوتے
تھے، اطباء کے لیے کمرے بنے ہوئے تھے جنہیں وہ اپنے معین اورقات میں مطب کرتے تھے، متعدد
حکم علیحدہ قائم تھے اور مریضوں کو عافیت پہنچانے کے لیے بہترین انتظام کے ساتھ باورچی خانہ بھی قائم تھا
اسی طرح اُس زمانہ میں پالکوں کے لیے بھی علیحدہ ہسپتال کھولے گئے تھے، اور جن مقامات
پر ہسپتال موجود نہ ہوتے اور نہ وہاں کسی بنا پر اس کا قیام ممکن ہوتا تو ایسے مقامات پر اطباء علی
و معالجہ کے کافی سامان کے ساتھ بھیجے جاتے تھے، جس طرح آج مصر وغیرہ میں سفری ہسپتال ہیں،
سب پہلا شفاخانہ ساتویں صدی میں "شفاخانہ بنی اقصیٰ" کے نام سے دمشق میں قائم ہوا، پھر
منصور قلیٰ عباسی نے بغداد میں ایک شفاخانہ قائم کیا، جس میں اندھوں کے علاج کا سامان بھی تھا
اس کے بعد ہارون الرشید نے ایک عظیم الشان شفاخانہ طبی تعلیم کے مصالح پیش نظر رکھ کر قائم کیا، اور
پھر اس کے بڑے ہاتھوں نے ایک طبی اکاڈمی قائم کی اور کثیر رقم علمی کتابوں کی خریداری اور
ان کے ترجموں کے لیے وقف کر دی، اس کے بعد شفاخانوں کی تعداد میں یوں فائدہ اٹھا
ہوتا گیا، یہاں تک کہ وہ رفتہ رفتہ شام کے اکثر شہروں میں پھیل گئے، اور حقیقت یہ ہے

کس زمانہ کے شفاخانے موجودہ ہسپتالوں سے آرام و راحت اور صحت کے لحاظ سے بہت بہتر
ہوتے تھے، کیونکہ ان کی تعمیر اور موقع عمارت میں بہ نسبت انجیل کے اس زمانہ میں اصول
حفظان صحت کا بہت زیادہ لحاظ رکھا جاتا تھا، کیونکہ عربوں کے نزدیک اصول حفظان صحت
کو نہایت اہمیت حاصل تھی ان کے بہت سے معالجہ دہانیوں کے بجائے اصول حفظان صحت ہی پر مبنی تھے
وہ تبدیل آب ہوا کے اثرات سے واقف تھے اور خصوصاً ان امراض کے لیے جو خون خشک کر دیتے
ہیں، یا انسان کو لاغر بنا دیتے ہیں، تبدیل آب و ہوا ضروری سمجھتے تھے، اور آج جو ہمارا
طرز عمل ہے وہ اسی طرح اپنے مریضوں کو موسم اور دیگر حالات کے تناسب سے کبھی گرم ملکوں میں
کبھی پہاڑوں پر اور کبھی دریا کے ساحلوں پر بھیجتے تھے، کیونکہ انہیں وثوق کامل تھا کہ بعض امراض
میں طب کے وسیع تجربے بیکار رہتے ہیں اور صرف اصول حفظان صحت ہی کام آتے ہیں،
اسی طرح عربوں کے وسیع علم طب کی ایک شاخ "طب الاسنان" یعنی دانتوں کا علاج
ہے، وہ دانتوں میں کیر سے پرہیز اور ان کے خراب ہو جانے کی صورت میں دانتوں
کو گرم لوہوں سے داغتے تھے، اسی طرح خراب دانتوں کے سوراخ میں خاص آلات کے
ذریعہ گرم تیل ڈالتے تھے، ضرورت کے وقت اپنے آلات کے ذریعہ دانتوں پر سونے اور چاندی
کے پتھر منڈھتے تھے اور دانتوں کے ٹوٹ جانے کی صورت میں اپنے آلات سے سونے اور
تاروں کے ذریعہ جانوروں کی ہڈی اور ہاتھی دانت وغیرہ جڑ دیتے تھے، اسی طرح اگر انہیں
کوئی دانت اکھاڑنا مقصود ہوتا تو اپنے آلات سے نہایت آسانی کے ساتھ اکھیڑ دیتے تھے
اور دانتوں کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے انھوں نے جو آلات وضع کیے تھے وہی آج یورپ
کے موجودہ فن طب میں بھی خفیف تغیر کے ساتھ مستعمل ہیں۔

طب ابدان

علم طب عباسیوں کے دور حکومت میں نمایان ترقی کی چنانچہ مشہور رئیس حکما بختیشوع
نظوری نے جو خلیفہ عباسی منصور کا طبیب خاص تھا، فارسی اور یونانی زبانوں سے طب کی
مشہور کتابوں کو عربی زبان میں منتقل کیا، پھر اس کے لڑکے جبرئیل نے جو ہارون رشید کا طبیب
خاص تھا عربی میں متعدد کتابیں بختیشوع کو یہ خاص فضیلت حاصل ہے کہ اس کے خاندان میں
نسلاً بعد نسل تین ایسے اطباء گذرے جو خلفائے عباسیہ کے طبیب خاص ہونے کے ساتھ
رئیس الاطباء یا دوسرے نقطون میں "انسپیکٹر جنرل" یا چیف ڈیکل افسر کے عہدے پر مامور ہوئے
انہی کی نگرانی میں حکومت کے تمام ہسپتال تھے اور وہی مدارس طبیبہ یا "ڈیکل کالجوں" کے افسر
اعلیٰ بھی ہوتے تھے، اس خاندان کا آخری طبیب جو اس عہدہ پر سرفراز رہا، جبرئیل بن عبید اللہ
ہے اسے تمام اطباء عصر کے درمیان خاص وقعت حاصل تھی، اس کے متعلق ڈاکٹر براؤن
(۱۸۷۵ء) کا قول ہے "وہ ان میں سب سے زیادہ مشہور ہے، اس کا ۱۰۰۰ پر پیل سنہ ۱۰۰۰ء
میں انتقال ہوا،

اسی طرح عہد عباسیہ کے یوحنا بن ماسویہ (۸۰۷ء) کو فراموش نہ کرنا چاہئے
جو یونان کا طبیب خاص تھا، اس نے علم طب، حفظانِ صحت، مریضوں کو طاقت پہنچانے اور
عہدہ کی بیماریوں وغیرہ پر نہایت نایاب کتابیں لکھی ہیں،

عہد عباسیہ میں تحصیلِ طب کے لیے متعدد قواعد منضبط کئے گئے تھے، آج اس دور ترقی میں یہ
شکرِ محیرت دہونا چاہئے کہ عہد عباسیہ جیسے قدیم زمانہ میں کوئی شخص طبابت کا پیشہ اس وقت
تک اختیار نہیں کر سکتا تھا جب تک اس نے طب کا باقاعدہ امتحان دیکر ساری فیکلٹی نہ حاصل

کر لیا ہو، اور یہی قانون کمپوٹری کے پیشہ کیلئے بھی رائج تھا،

اسی طرح ان زمانہ میں مختلف امراض کے مختلف ماہرین ہوتے تھے، مثلاً کوئی امراض
باطنیہ کے علاج میں ماہر (Academic) شمار کیا جاتا تھا، کسی کو اپریشن کرنے میں کما
ہوتا کوئی آنکھوں کے علاج کے لیے مخصوص ہوتا، کسی کا خاص فن طب الانسان یعنی "دوا
کا علاج" ہوتا، اور کوئی اعصاب کے علاج میں شہرت رکھتا تھا جس طرح آج مختلف امراض
کے مختلف ماہر شمار کیے جاتے ہیں،

ان ماہرین میں سے چند مشہور اطباء یہ ہیں: قسطنطین بن ہوقا بعلبکی: یہ مشہور فلسفی، فلک
ریاضی دان، اور ممتاز طبیب تھا، اس کی ان تمام علوم میں نایاب تصانیف ہیں، مطلق حورانی
بختیشوع نے اپنی کتابوں میں اسے لائق طبیب شمار کیا ہے، تمیمی بیت المقدسی: اس کو
فن معالجہ امراض (Academic) میں خاص درجہ حاصل تھا، ثابت بن قریہ
امراض قلب کے معالجہ میں ممتاز تھا اس نے قلب کے حرکات پر ایک نایاب کتاب لکھی ہے،
اس تصنیف سے یورپ نے کافی استفادہ کیا ہے، ثابت بن ابراہیم زہران حورانی: دسویں
صدی کے ادائل میں گذرا ہے، اسے تشخیص امراض میں یدِ طولیٰ حاصل تھا، بسا اوقات اس کے
معاصرین اسکی تشخیص سے محو حیرت رہ جاتے تھے ابوالحسن ہبہ اللہ بن سعد: المتقی لامرشد
کے زمانہ میں گذرا ہے، اس کو اپنے عہد میں بڑی شہرت حاصل ہوئی، اس کے معاصرین
اسے جالینوس اور بقراط سے تشبیہ دیتے تھے، ابوالفرج عزیزیور یوس: فلسفی طبیب تھا،
۱۲۱۹ء میں ساٹھ برس کی عمر میں وفات پائی، ۶۲۰ء میں پاکو لک (Academic) نے اسکی
کتابوں کو لاطینی زبان میں ترجمہ کر کے شائع کیا، ڈاکٹر رائٹ (Wright) اس کا
بجد معترف ہے، ۱۲۹۰ء میں اس نے اپنی ایک کتاب میں نہایت شاندار الفاظ میں ابوالفرج

کا تذکرہ کیا ہے، اسی طرح ابن سینا ہے جسے یورپ *Avicenna* کے نام سے جانتا ہے اس کی سنہ میں ولادت اور سنہ میں وفات ہوئی، بغداد یونیورسٹی میں تعلیم پائی تھی، طبیب حاذق تھا، اسکی کتابیں دنیا کی اکثر زبانوں میں منتقل ہو چکی ہیں، تقریباً چھ سو برس تک اسی کی کتابوں پر علم طب کا دار و مدار تھا، فرانس اور اٹلی کی یونیورسٹیوں اور خصوصاً سالرنو کے مشہور مدرسہ کے نصاب میں اسکی کتابیں داخل تھیں، اسکی ایک نہایت اہم تصنیف "القانون" ہے، یہ مصر ایشیا اور اسپین کی متعدد یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل تھی، اور یورپ میں اٹھارہویں صدی تک اسکی طباعت ہوتی رہی، اور ابھی ایک صدی پیشتر فرانس کے مونبلیہ کالج میں اس کے مباحث پر اکثر مذاکرے ہوتے رہتے تھے،

ان طبیبانہ مختلف امراض کے جو علاج تجویز کرتے تھے ان میں بعض امراض پر متعدد صدیاں گزرنے کے بعد موجودہ زمانہ میں پھر عمل ہونے لگا، مثلاً ٹائیفاؤڈ بخار میں ٹھنڈے پانی کے استعمال کو لیجئے، اس طریقہ علاج کی طرف آج سے نو سو برس پیشتر ابو نصر بن بشر افسر اعلیٰ شفا خانہ امراض عصبیہ، اشارہ کر چکا ہے، وہ بتا چکا ہے کہ ایسے موقوفون پر ٹھنڈے پانی اور سن کر دینے والی چیز دن کو استعمال کرنا چاہیے، اسی طرح آج موجودہ ڈاکٹروں میں کون ایسا ہے جو اپنے اوپر اس وقت نازان نہ ہو جب وہ اس علاج کا مجدد قرار پائے جسے ابو بکر رازی (رحمہ اللہ) نے چمچک اور پتھری کی بیماریوں میں تجویز کیا ہے، اسی طرح کون ڈاکٹر ہے جو بخار پر اس وقت فخر نہ کرے جب وہ ایسی کتابوں کا مصنف تسلیم کیا جائے جو تاریخ طبعی کے مشہور ماہر و میری صاحب حیاء الحیدان کی تصانیف ہیں، اس کی کتابوں میں آج سے کئی صدی پیشتر اس علاج کا تذکرہ موجود ہے جسے ہم آج *Ophthalmic* کہتے ہیں جس میں کسی عضو فاسد کا علاج اسی کے مثل عضو سلیم کو کھلا کر کیا جاتا ہے، براؤن کا

Brown Sengard

نے نصف صدی پیشتر اس طریقہ علاج کو دنیا کے سامنے پیش کیا اسلئے وہ اس زمانہ میں اس طریقہ علاج کا مجدد سمجھا جاتا ہے، حالانکہ بلاد شام میں ہمیشہ سے یہ طریقہ علاج جاری ہے اور اس وقت بھی وہاں کے باشندوں میں یہ اصول عام طریقہ سے رائج ہے کہ وہ جگر اور گردوں کے خراب ہو جانے کی صورت میں تندرست جانوروں کے جگر اور گردے کھاتے ہیں، اسی طرح موجودہ زمانہ کا طریقہ جراحی (اپریشن) بھی اکثر چیزوں میں انہی عربوں کا مہیون منت ہے، چنانچہ بھی بہت قریب زمانہ تک عربوں کی کتابیں یورپ کے ڈیکل اسکولوں میں اساس تعلیم تھیں، اور اب علم سے پوشیدہ نہیں کہ عرب گیارہویں صدی عیسوی میں آنکھوں میں زرد پانی اتر آنے کا جسے *Cataract* کہتے ہیں۔ علاج عدسہ کو نیچے اتارنے یا اسے زائل کر دینے کے ذریعہ کرتے تھے اسی طرح منانہ کی پتھریوں اور شریانیں سے منہ کھل کر خون بہنے کا علاج ٹھنڈے پانی سے کرتے تھے، آگ سے داغنے اور فصدہ وغیرہ کے طریقے انہیں کے ایجاد کردہ ہیں، اور یہ تمام طریقہ علاج یورپ کے موجودہ فن طب میں رائج ہیں، وہ لوگ خراج صناعی سے بھی واقف تھے۔ جس پر آج ٹائیفاؤڈ بخار میں عمل ہونے لگا ہے۔ وہ لوگ بھی مریضوں کو تکلیف سے بچانے کے لیے بیوش کرتے تھے، جسے آج جدید کٹاؤ تصور کیا جاتا ہے، حالانکہ معلوم ہے کہ ان کے یہاں سخت آپریشن کے موقوفون پر زور داتہ استعمال کیا جاتا تھا، جس سے حواس مفقود ہو جاتے تھے اور اس طرح مریض کو سکون حاصل ہوتا تھا، غرض شام کے علماء حکما کے اکتشافات، کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اگرچہ اس کا بھی اعتراف ہے کہ انہوں نے ان یونانی کتابوں سے کافی طور پر استفادہ کیا جن کے ترجمے عربی میں کئے گئے تھے بلکہ انہوں نے خود بھی دنیا کے سامنے یونانی کتابوں کی فہرست علیحدہ طور پر پیش کی تاکہ ان کی کتابیں یونانی کتابوں میں مل جل نہ جائیں، لیکن اس کے ساتھ اسے نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ انہوں نے

ان کتابوں سے استفادہ کرنے کے ساتھ ان کی غلطیوں کی تصحیح بھی کی ہے اور ان کے علاوہ علم طب میں بہت سے قابل قدر اکتشافات جدیدہ کا اضافہ کر کے اسے سراج کمال تک پہنچا دیا، مسلمانوں نے علم طب کو جو ترقیاں دیں یہ انکی ایک محدود تاریخ ہے جو صرف ملک شام سے تعلق رکھتی ہے، لیکن خود مسلمانوں کا تمدن کوئی محدود تمدن تھا بلکہ وہ شام کے علاوہ ایران، مصر، اندلس اور ہندوستان تک پھیلا ہوا تھا، اور ہر جگہ علوم و فنون کو ترقی دے رہا تھا، ممکن ہے کہ بعض علوم کو کسی خاص ملک یا خاص سرزمین سے مخصوص تعلق ہو، لیکن فن طب ایک ایسا علم تھا جسکی ضرورت ہر ملک اور ہر سرزمین کو تھی اس لیے اس نے تمام اسلامی ممالک میں یکساں طور پر ترقی کی اور اس مضمون میں طبی ترقی کے جو مظاہر نمایاں کئے ہیں تمام اسلامی ملکوں میں اسی قسم کے مظاہر نمایاں ہوئے، افسوس ہے کہ اردو میں اب تک علم طب کی کوئی مفصل تاریخ مرتب نہیں گئی جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی، لیکن کم از کم اس مضمون سے اتنا تو ضرور قیاس کیا جاسکتا ہو کہ جب صرف شام میں علم طب نے اس قدر ترقی کی تھی تو اور دوسری اسلامی ممالک کی طبی ترقیوں کا کیا حال ہوگا،

(مترجم)

لغات جہد

چار نثر جدید عربی، اضافہ کی دیکھنری، مطبوعہ معارف پریس، قیمت ۵۰ پیسے

نمبر

جہد کا نظریہ جذبات

(۴)

از مولوی معتمد علی الرحمن صاحب ایم اے پرنسپل علی گڑھ

اعتراض سوم:- جذبہ کے ظاہر ہونے سے بجائے اس کے کہ یہ جذبہ شدید ہو جائے، ختم ہو جائے چنانچہ بہت زیادہ خفا ہونے، اور بگڑنے کے بعد غصہ رنج ہو جاتا ہے، اور اگر اس کو دیا لیا جائے تو دیوانگی کی سی کیفیت پیدا کرتا ہے،

جواب:- یہ اعتراض جذبے کے ظاہر ہونے اور اس کے بعد کے احساسات میں امتیاز نہیں

کرتا، ظہور کے دوران میں جذبہ ہمیشہ محسوس ہوتا ہے، اور زیادہ فعلیت کی وجہ سے اس کے عصبی مرکز تک کر فعل کے قابل نہیں رہتے، ان کی فعلیت کے ختم ہونے کے ساتھ ہی، جذبہ کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے، لیکن اگر ہم غم کے باعث کے ہوتے ہوئے افسوس کو روک لیں، تو جذبہ کا توجہ کسی اور راستے میں منتقل ہو جاتا ہے اور بہت ہلکے نتائج پیدا کرتا ہے، کینہ توڑی، خجاست نفس، شرارت باطن وغیرہ، سب اسی امتناع کا نتیجہ ہوتے ہیں، لہذا جذبہ کے ظاہر ہوجانے سے اس کا خاتمہ ہو جاتا اور اس کے روکنے سے دیوانگی کا پیدا ہونا بالکل طبعی ہے،

یہاں تک پہنچنے جہد کے نظریہ، اور اس کی تائیدی شہادتوں اور دلائل، کو خود اسی کے الفاظ میں بیان کیا ہے لیکن کوئی دعویٰ اس وقت تک مسلم نہیں ہوتا، جب تک کہ معترضین کے اعتراضات

اور مخالفین کے مخالفانہ حلوں کا مقابلہ ذکر کر کے، اگر یہ ان کے سامنے قائم نہیں رہ سکتا، تو مستجاباتے
اسی سے اپنی خاموشی کا اعتراف کر لیتا ہے، اور اگر وہ ان کے مقابلہ میں کامیاب ثابت ہوتا ہے
تو ہر حملہ کا دندان شکن جواب دیتا ہے، تو اسکی یہ فتح ہی اس کا ثبوت بن جاتی ہے، جیسے نے اپنے
دعویٰ کو نہایت زور شور سے پیش کیا، اسکی موافقت میں مختلف دلائل نہایت شد و مد کے ساتھ
بیان کئے اور اس کی تائید میں مختلف اشخاص کی شہادتیں نہایت یقین دہن دینا کے ساتھ پیش
کیں، لیکن ابھی اس کو معاندین و مخالفین کی جماعت کا مقابلہ کرنا تھا، اس میں اس کی آخری
اور کھلی فتح ہونے والی تھی، اس تمام مناقشت میں جیس نے اپنے ہمدرد بھی پیدا کر لیے تھے، لہذا
اگر اس کے مقابلے میں ایک جماعت تھی تو وہ بھی اکیلانہ تھا، جیس اور اس کے رفتار کو لازمی طور پر
مدافعا طرز عمل اختیار کرنا پڑا، انھوں نے بعض حلوں کا تو کامیابی سے جواب دیا، لیکن بعض کے
مقابلے میں ان کے قدم نہ جم سکے، اسی وجہ سے اگر اس کے مخالفین نے اس نظریہ کی صحت میں شبہ
کیا، لیکن جیس کی جدت فکر اور ندرت تخیل کے سب قائل ہیں،

یہ نظریہ سرسری طور پر بہت مستبعد نظر آتا ہے، اور جس طریقے سے، اور جن الفاظ میں، اس کو
بیان کیا گیا اس سے اس کے استبعاد میں اور اضافہ ہو گیا، تنقید و رد کی بوجھار اور اعتراضوں کی
بارش نے جیس کو مجبور کیا کہ اپنے مفہوم اور عنذیہ کو واضح طور پر بیان کرے، اس وقت اس نظریہ
کے دو مختلف مفہوم لیے جاتے ہیں، ایک کے مطابق جبلت کے عضوی اختلافات کا شور جذبہ
کا لازمی اور ضروری جزو ہے، اس بنا پر اس میں اور شعور کی اور غیر جذباتی حالتوں میں امتیاز
نہیں ہے، ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جذبہ میں سوائے ان عضوی اختلافات کے جو جبلت میں
پیدا ہوتے ہیں، اور کچھ نہیں گو یہ دونوں ایک دوسرے کے بالکل ہم معنی ہیں، ہم اس نظریہ
کو اس وقت تک قبول یا رد نہیں کر سکتے، جب تک کہ یہ فیصلہ نہ کر لیں کہ خود جیس کے نزدیک

ان دونوں دلائلوں میں سے کون سی صحیح ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس پر تمام اعتراضات ایک جگہ
اسی ابہام معنی کا نتیجہ ہیں، جیس کے اس فقرے سے

”واقعہ یہ ہے کہ اگر اک براہ راست جہانی تغیرات پیدا کرتا ہے، اور ان تغیرات کا، جمالیات و تون

احساس، جذبہ ہے۔“

بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ذہن میں مذکورہ بالا مفہیم میں سے دوسرا مفہوم
لیکن یہ خیال غلط ہے، اس نظریہ کی اشاعت کے پورے دس برس بعد ۱۹۱۱ء میں، خود جیس نے جذبہ
کی جہانی بنا کے عنوان سے سائیکولوجیکل ریویو میں ایک مضمون لکھا اور اس میں صاف طور پر بتایا
کہ وہ پہلے مفہوم کو صحیح سمجھتا ہے، یعنی یہ کہ اس کے نزدیک عضوی تغیرات کا احساس و شور جذبہ
کامترادف نہیں، بلکہ اس کا لازمی جزو ہے، اس کے علاوہ جیس کا یہ قول بھی کہ:-

”اگر عضوی اضطرابات شامل نہ ہوں، تو ہمارا ادراک بالکل سرد اور غیر جذباتی ہو جاتا ہے“

اسی دلالت کی طرف اشارہ کرتا ہے، لیکن دوسری وقت اس دلالت کو صحیح تسلیم کرنے میں
اس وقت پیدا ہوتی ہے جب جیس بلا معروض جذبہ کا ذکر کرتا، اور اس کے امکان وقوع کی
شہادتیں پیش کرتا ہے، اگر جیس اس کو ممکن وقوع مانتا ہے، تو پھر کوئی شبہ نہیں رہنا چاہیے،
کہ وہ ان عضوی اختلافات کے احساس کو جذبہ کا ہم معنی سمجھتا ہے، غرض جیس کے بیانات قیچ
بہم اور متناقض ہیں کہ کسی بات کا فیصلہ کرنا دشوار ہے، لیکن خوش قسمتی سے یہ واضح ہے کہ اس
نظریہ کے مطابق دو جذبات میں عضوی تغیرات کی بنا پر فرق نہیں کر سکتے، نہ یہ کسی طرح بھی اس

سلسلہ اعلیت یہ ہے کہ سائیکولوجیکل ریویو کے مذکورہ مضمون میں جیس نے مختلف تنقید و رد کا جواب دیتے ہوئے اپنے
اصلی عقاید میں بہت کچھ رد و بدل کیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اس مضمون میں ایسی باتوں کو تسلیم کر گیا ہے جو اس کے
اصلی خیالات کے منافی ہیں (ملاحظہ ہو ڈاکٹر وارڈ کی کتاب *Psychological Principles* صفحہ ۲۷۰) بالذات وہ جی وارڈ کی

نظریہ سے لازم آتا ہے، البتہ ہم اس کی مدد سے یہ کر سکتے ہیں کہ شور کی جذبی اور غیر جذبی حالت میں متباد
کر لیں ان توضیحات کے بعد اب ہم نہایت آسانی کیساتھ اس کو تنقیدی روشنی میں دیکھ سکتے ہیں
جیس کا خیال تھا کہ:-

اس نظریہ کو ثابت کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایک ایسا آدمی تلاش کیا جائے جو
بے حس ہو، لیکن مغلوب نہ ہو یعنی جو جذبات کے بھیج کی موجودگی میں حرکات کر سکتا ہو، اس سے
سوال کیا جاوے کہ وہ جذبی تاثر محسوس کرتا ہے یا نہیں؟

وہ خود تو اس قسم کے ثبوت سے بالکل مایوس تھا، خود اس نے سٹریپل کے ایک مریض کا
حال نقل کیا ہے جو ایک آنکھ اور ایک کان کے سوا بالکل بے حس تھا، لیکن اس میں شرم، غم، حیرت
خوف اور غصے کے جذبات پائے جاتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ شہادت نظریہ زیر بحث کے خلاف ہے
لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جیس نے اس کو قابل اعتناء نہ سمجھا، اور اسی وجہ سے اس کی طرف توجہ نہ کی، لیکن
جس بات کو جیس نامکمل سمجھے ہوئے تھا، اس کو انگلستان کے ایک ماہر عضویات شیرنگٹن نے مکرر دیا
اور جس بات پر اس کو بہت بھروسہ تھا، وہی اس کے نظریے کے لیے سم قاتل ثابت ہوئی، جیس کے
انتقال کے دس سال قبل سن ۱۸۹۱ء میں شیرنگٹن نے "جذبہ کی تحقیق میں دعائی اور حسوی عناصر کی اہمیت"
اختبارات کے عنوان سے ایک مضمون لکھا، اس کے چھ سال بعد یعنی جیس کے انتقال کے صرف
چار سال قبل اس کی کتاب نظام عصبی کا فعل تکمیلی نیو بارک سے شائع ہوئی، مقدمہ الذکر مضمون تو
خصوصیت کے ساتھ جیس کے خلاف تھا، اس میں اس نے دکھایا کہ اختبارات سے ہم بآسانی معلوم کر رہے

ہے جس مضمون کا نام ہے: *Proceedings of the Royal Society*
Integrative action of the Nervous
System.

کہ جذبات کی تخلیق میں دعائی اور حسوی عناصر کو دخل نہیں، کیونکہ ان عناصر کی قطع و برید کے
بعد بھی جذبات باقی رہتے ہیں، پھر اسی بحث کو اس نے اپنی کتاب میں شامل کیا، شیرنگٹن کا یہ جملہ
اس قدر سخت تھا کہ اس سے جیس کا نظریہ اگر مردہ نہیں ہوا، تو نیم جان ضرور ہو گیا، جیس کے مہم
نے اس میں دوبارہ روح پھونکنے کی کوشش کی، لیکن وہ جان اور زور پیدا نہ کر سکے،

یہ تمام اختبارات کتوں پر کیے گئے تھے، عمل جراحی کے ذریعہ سے ان کے اعصاب کو کاٹ
چھانٹ کر، احتیاط اور کندھے کے پیچھے کی تمام جلد اور عضلات کے تمام احساسات کو روک دیا
گیا تھا، اسی عمل میں جسم کے دوران خون کے آلات اور شعور کے روابط کو بھی توڑ دیا گیا تھا، یہ عمل
بہت سے کتوں پر کیا گیا اور زان بعد ان کی حرکات و سکنات کا بغور مطالعہ کیا گیا، ایک کتا
خاص طور پر شیرنگٹن کے زیر مطالعہ رہا، کیونکہ اس کے مزاج میں جذبی عنصر بہت غالب تھا، اس کے
مشاہدات شاہد ہیں، کہ اگرچہ عمل جراحی کی وجہ سے اس کے احساسات کے تمام راستوں کو
قطع کر دیا تھا، لیکن اس سے اس کے جذبات پر کوئی اثر نہ ہوا، اس کا غصہ اس کی خوشی، اس کی نفرت
اور اس کا خوف علیٰ حال قائم رہا، اپنے رکھوالے کو آتے دیکھ کر وہ بدستور سابق خوشی ظاہر کرتا، بلی
کو قریب آتا دیکھ کر اس پر غصہ کی علامات پیدا ہوتی، ان جذبات کی کیفیت یا کیفیت کسی میں بھی
کوئی تغیر نہ ہوا، زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ چند ماہ قبل یہ کتا ایک مہمان کو دیکھ کر سخت غضبناک ہوا
تھا، اور اب پھر اس کو دیکھ کر اس نے اسی غصہ کا اظہار کیا، بہ تمام باتیں صاف ظاہر کرتی ہیں کہ
یہ کتا اس عمل جراحی کے بعد بھی مغلوب اعصاب ہو سکتا تھا،

کوئی کتا کسی حالت میں بھی کتے کا گوشت بطور خوراک قبول نہیں کرتا، بلکہ وہ اس کو
کراہیت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، شیرنگٹن اپنے کتوں کو باہم گھوڑے، یا گائے کا گوشت دے
میں جھگو کر دیا کرتا تھا، اور یہی ان کا سن جاتا تھا، ایک مرتبہ اس نے اس خاص کتے کو

کے کا گوشت دیا، نتیجہ حسب ذیل تھا:-

نور کرنے جب حسب دستور اس کا پیالہ ایک کونے میں رکھا، اور اس میں دودھ ڈال کر
کے کا گوشت بھگو دیا، یہ کتا بہت رغبت کے ساتھ اس کی طرف بڑھا، اور اپنی تھوٹنی
کو دودھ میں ڈالتے ہی باہر کھینچ لیا، اس نے گوشت کو منہ میں لینے کی ہمت کی لیکن
لینے لینے چھوڑ دیا، اور ایک طرف کو ہٹ کر بیٹھ گیا، اس نے دوبارہ اس پیالے کے
گوشت کا معائنہ کیا، اور آخر کار جا کر دوسرے کونے میں دیکھ کر بیٹھ گیا، کچھ دیر کے
بعد بڑی کوشش سے وہ پھر پیالے کے پاس آیا، لیکن پھر کراہیت و خواہش کی وہی
کنش ظاہر ہوئی اس کے بعد نو کرنے وہ پیالہ ہٹا لیا، اور اس کو اچھی طرح دھو کر
گھوڑے کا گوشت دودھ میں بھگو دیا، اور اس کے سامنے رکھ دیا، اس مرتبہ وہ اس
کے پاس آیا، اور چند منٹوں ہی میں اس پیالے کو خالی کر دیا۔

اس مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے، کہ کتے کے گوشت سے جو نفرت ہر کتے کو ہوتی ہے، اس
مقطوع الشعاع کتے نے بھی ظاہر کی، یعنی نفرت و کراہیت کا جذبہ اس میں علیٰ حالہ موجود تھا،
اسی طرح ایک اور کتے کے عصب تار کو کاٹ کر معدے شش اور دل کو شعور سے بے تعلق
کیا گیا، لیکن نتیجہ بھی یہاں وہی تھا کہ اس بے تعلقی کی وجہ سے جذبی مظاہر معدوم نہ ہوئے،
ان تمام اختیارات و مشاہدات کے بعد شیر نگلٹن اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ:-

ہر کتے ان مشاہدات کے بعد تکوین جذبہ کا محرک ادعیہ نظریہ ناقابل قبول معلوم ہوتا ہے،

اور اسی طرح ان کے ہوتے ہوئے بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ حیوانی احساسات یا

لے ایک عصب جو اکثر اندونی آلات و مشاہدہ جو نظام نفس کے خلا میں واقع ہیں، اس کے احساسات کے نقل مقام میں مدد
یہی خبر اور اتون کے عضلات تکہ بند ہوتے ہوئے کو لیجاتی ہے، اور اسی کی بدولت دل کی حرکات سست پڑتی ہیں

جذبہ کے لیے ضروری ہیں، کیونکہ عمل جراحی کے بعد بھی جذبات کتون میں موجود رہے،
ان اختیارات پر پروفیسر لائڈ مارگن معترض ہے کہ

تعلق کے راستے اس وقت سدود کئے گئے، جب حرکی اور حیوانی اثرات تخلیق جذبہ
میں عمل کر چکے، عمل جراحی کے بعد میں احضاری مواد تو ضرور ناممکن البھول ہو گیا، لیکن
ان کے استحضاری مابعدی اثرات خارج نہ ہوئے۔

شیر نگلٹن کے پاس اس اعتراض کا یہ جواب ہے کہ زیر مشاہدہ کتون میں سے ایک ایسا
ایسا تھا، جس پر صرف نو ہفتے کی عمر میں عمل جراحی کیا گیا تھا، لہذا یہ فرض نہیں کیا جاسکتا کہ کتے کے
گوشت سے نفرت و کراہیت اس چھوٹی سے عمر کے تجربوں کا نتیجہ ہو سکتی ہے،

اس اعتراض کی جواب دہی کے بعد شیر نگلٹن پر ایک حملہ اور ہوا، جو گزشتہ حملہ سے کہیں
زیادہ سخت تھا، لائڈ مارگن کے اعتراض کی تردید تو اختیارات کی نوعیت میں تغیر و تبدل کرنے سے
ممکن تھی، لیکن اعتراض اس قسم کا تھا، جس کو اختیارات سے کوئی تعلق نہ تھا، اس کا جواب اگر
ہو سکتا تھا، تو صرف اس طرح کہ اس کتے کے مطالعہ باطن کے نتائج طلب کئے جاتے، اور ان کی
بنیاد پر اس کی تردید کی جاتی، لیکن مطالعہ باطن میں بجا اور بہت سے نقص ہیں، وہاں ایک یہ بھی کہ حیوانی
کے لیے یہ بالکل بے کار ہے، کیونکہ اول تو نہیں کہہ سکتے کہ اس میں اسکی قابلیت ہوتی ہے، اور اگر
یہ فرض بھی کر لیں، تو یہ یقینی ہے، کہ نطفے سے محروم ہونے کی وجہ سے وہ اپنے مطالعہ باطن کے نتائج

لے نظام عصبی کا فعل نگلٹن ص ۲۵۹-۲۶۶، پروفیسر بجل نے بھی یہی اعتراض کیا ہے، وہ لکھتا ہے: "بعض حیوانات

پر اس طرح عمل کیا گیا ہے، کہ حیوانی حصہ کے عصبی ہیجانات کے قشر تک پہنچنے کے راستے قطع کر دیے گئے ہیں، لیکن اس کے بعد

جذبات باقی رہے جو نظریہ جیمس کے بعد نہ ہونے چاہئیں تھے،... قلت گنجائش کی وجہ سے اس پر مفصل بحث تو ممکن

لیکن مصنف کی رائے میں ان موصوفین نے بعض اہم باتوں کو نظر انداز کر دیا، مثلاً انھوں نے حافظہ کے ممکن اثرات کو بالکل ہٹا دیا۔

(الغیات ص ۱۷۱، حاشیہ)

کے اظہار پر قادر نہیں، ایسے حالات میں ہم کو صرف مشاہدہ خارجی پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے اور ان کی نفسی کیفیات اور ذہنی احوال کا اندازہ جسمانی تئیرات کی بنیاد پر اور خود اپنے تجربے کی مدد سے ہو سکتا ہے، اسی وجہ سے جس کے ہنجیال بزرگوں کو اس اعتراض پر بڑا اعتماد تھا کہ "یہ صحیح ہے کہ جانور دن میں قطع نخاع کے بعد بھی جذبی علامات و مظاہر پیدا ہوتے ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ جذبہ کو محسوس نہ کرتے ہوں۔"

مطلب ان کا یہ تھا کہ ظاہری علامات بغیر کسی نفسی کیفیت کے پیدا ہو سکتی ہیں اور ظاہر ہے کہ چونکہ جذبہ کا اطلاق صرف نفسی کیفیت پر ہوتا ہے، اور اسی کو چونکہ ثابت نہیں کیا جاسکتا، لہذا یہ بھی ثابت نہیں ہو سکتا کہ حشوی اور دعائی راستوں کے سدود کرنے سے جذبات بھی ختم ہو جاتے ہیں، جیسا کہ ہم ابھی کہہ آئے ہیں، نفسی کیفیت کے وجود کا علم اور ثبوت صرف مطالعہ باطن کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے، اور یہ موجودہ صورت میں ناممکن ہے، لیکن شیرنگٹن جذبے کی نفسی کیفیت کے وجود کے ثبوت میں اس طرح استدلال کرتا ہے:-

"اگر ان جذبات کے مظاہر کے ساتھ ساتھ وہ سلاسل افعال نہ ہوتے جو عقلاً اس ظاہر شدہ جذبہ کے مستزعات ہیں، یا اگر یہ مظاہر ان سلاسل افعال کو پیدا نہ کرتے، تو یہ اعتراض کچھ دفع ہو سکتا تھا، لیکن جہاں غصہ کی ہیئت وجہی کے بعد ایک مقررہ معین قصد و ارادہ کے ساتھ آگے بڑھنے اور حملہ کرنے کے افعال ہوں، میرے لیے یہ قیاس کرنا ناممکن ہے کہ وہ ادراک جو غصہ نامک نظر ہو باعث ہوتا ہے، غصے کی حرکات کو تو پیدا کرے، لیکن غصے کی حیثیت"

کو پیدا کرنے کے ناقابل ہوا

شیرنگٹن کا یہ استدلال کسی منطوقہ کی آڑ میں ہے، رہا مطالعہ باطن کے نتائج میسر نہ آنے کی صورت

میں یہ استدلال ناقابل تردید ہے، غصہ کی قصدی حرکات کا بغیر کسی نفسی کیفیت کے پیدا ہونا یقیناً ناممکن ہے، اگر یہ حرکات پیدا ہوتی ہیں، اور ان سے ایک خاص مقصد بھی ظاہر ہوتا ہے، تو یہ بھی بدیہی ہے کہ ان حرکات و مقصد کے پس پردہ کوئی نفسی کیفیت عمل کر رہی ہے،

مقرر ضمیمہ شیرنگٹن کے اس جواب سے لاجواب ہو کر کہتے ہیں، کہ اچھا ہم تسلیم کیے لیتے ہیں کہ وہ جذبی کیفیت یقیناً پیدا ہوتی، اور یہ کہ حشوی اور دعائی احساسات جذبے کے لوازم نہیں لیکن اس کا کیا ثبوت ہے، کہ جذبہ پورا کا پورا موجود رہا بہت ممکن ہے کہ جذبہ کا کچھ حصہ غائب ہو گیا اور کچھ باقی رہا ہو، اور باقی ماندہ حصہ کی وجہ سے وہ تمام حلی حرکات پیدا ہوتی ہوں، اس اعتراض کے کرنے میں متہریش پیش پیش ہے، یہ اعتراض صرف اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے، کہ اس کتے کی نخاع کو تو مانع سے علیحدہ کر دیا گیا، لیکن اسکی آنکھوں، کانوں، ناک، تھوہ وغیرہ کے اعصاب اب بھی دماغ تک پہنچ رہے ہیں، اور اس وجہ سے اس کتے کے جسم کے آدھے حصے میں اضطرابی قوسین باکل صحیح و سالم ہیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے، کہ احساسی ہیجانات ان راستوں سے داخل ہو کر ان حلی حرکات کو پیدا کر سکتے ہیں یہ صحیح ہے کہ یہ حرکی ہیجانات اس کتے کے پچھلے حصے تک نہیں پہنچ سکتے اور اس وجہ سے اس میں عضلی فعلیت پیدا نہیں ہو سکتی، اور جب عضلی فعلیت ہی پیدا نہیں ہوتی تو احساسی ہیجانات کا پیدا ہونا معلوم، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا، کہ اس کا اگلا حصہ بھی بالکل متغفل اور غیر فعال رہتا ہے، لہذا اگر حشوی اور دعائی احساسات کو خارج کرنے کے بعد بھی جذبات پیدا ہوتے ہیں، تو یہ جذبات ان احساسات کا نتیجہ ہو سکتے ہیں، جو ناک، کان، آنکھ وغیرہ کے اعصاب کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں،

اس اعتراض کا شیرنگٹن کے پاس کوئی جواب نہیں، یہاں وہ مجبور ہو کر سپر افگنڈہ ہوجاتا ہے

اور اعتراض کر لیتا ہے کہ :-

۱۔ اس قسم کے اعتبارات میں ایک کمزوری یہ ہے کہ اگرچہ جذبی مظاہر کے خشوی، دعائی اور کچھ عضلات کو تو قطع کر دیا گیا، لیکن موخر الذکر کا ذرا سا حصہ یعنی چہرے کا باقی رہا، یہ ان مراکز پر اثر آفرین ہو سکتا، جسکو شعور سے تعلق ہو،

لیکن اس کمزوری کے باوجود وہ اپنے اعتبارات کے نتائج کو قطعی سمجھتا ہے اور اس اعتراض کو بہت اہمیت نہیں دیتا، وجہ ظاہر ہے کہ جب نخاع کو اور حصوں سے بے تعلق کرنے کے باوجود جذبات باقی رہتے ہیں، تو چہرے وغیرہ کے اعصاب کی قطع و برید کے بعد بھی ان کا باقی رہنا کچھ متعین نہیں موجودہ صورت میں انہی کا یہ خیال صحیح ہے کہ جس شہادت میں کھوپری اور چہرے کے عضلات صحیح و سالم ہوں، اس کو جیسے کے نظریے کی تردید میں پیش نہیں کیا جاسکتا، اور نہ خود جیسے اس کو قطعی سمجھتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہم رخیل کے اس خیال سے متفق نہیں کہ شیرنگٹن کے اعتبارات سے یہ ثابت نہیں ہوتا، کہ خشوی احساسات جذبی نفسی حالات کے لیے لازمی نہیں۔ نہ معلوم یہ خیال رخیل نے کس بنا پر ظاہر کیا ہے، اگر خشوی احساسات کو ختم کر دینے اور ان کے راستے کو مسدود کر دینے کے بعد بھی جذبات باقی رہتے ہیں، تو ہر ذی عقل شخص سمجھ سکتا ہے کہ یقیناً تخلیق و ترکیب جذبات میں شامل نہیں ہوتے،

اس حقیقت سے نہ جیسے کو انکار ہے، نہ اس کے مخالفین کو کہ جذبہ کے ساتھ شدید و عمیق جہانی تغیرات ہوتے ہیں، دونوں کے دونوں اس کے قائل ہیں، کہ ہر جذبہ لازمی طور پر جہانی عضوی تغیرات پیدا کرتا ہے، ان دونوں میں ماہ الزراع یہ ہے کہ جیسے ان تغیرات کو نفسی کیفیات

Reconsideration of James' theory of emotions in the light of recent criticisms Psychological Review + X 111, p 261

پر مقدم اور اس کے لیے ضروری سمجھتا ہے، برخلاف اس کے اس کے مخالفین کا دعویٰ ہے، کہ یہ تغیرات نفسی کیفیت کا نتیجہ اور اس کے مظاہر ہوتے ہیں، دوسرے الفاظ میں تمام بحث جہانی تغیرات اور نفسی کیفیات کی تقسیم و تاخیر کی ہے، عضویاتی مظاہر کی تقدیم و تاخیر کی بحث میں، ظاہر ہے، شیرنگٹن کے اعتبارات جیسے کے نظریے کا بال بیکا نہیں کر سکتے، لیکن ہمارے نزدیک ان سے عضوی تغیرات کی ضرورت و لزوم کی تو قطعاً تردید ہے، اسی سے نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے، کہ نفسی کیفیات مقدم اور عضوی تغیرات موخر ہوتے ہیں،

جیسے کے خلاف شیرنگٹن کے اس اعتباری حلقے کو مارڈوینو سی کے عملی عضویات کے پروفیسر کینن اور اس کے شاگردوں نے جاری رکھا، چنانچہ ۱۹۰۹ء اور ۱۹۱۵ء کے درمیان میں انہوں نے مختلف مضامین شائع کئے، اور آخر ۱۹۱۵ء میں کینن کی کتاب الم، خوف، غصہ اور جھوک میں جہانی تغیرات، شائع ہوئی، ان سب کا مشترک موضوع یہ تھا کہ الم، خوف اور غصہ کے جذبات کا آلات ہضم پر کیا اثر پڑتا ہے، یہ تمام اختیارات جیسے کے نظریے سے براہ راست کوئی تعلق نہیں رکھتے، لیکن ان سے اس کے سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے، کینن نے یہ ثابت کیا، کہ ان جذبات کے ہنگام سے ان تمام آلات کے وظائف متاثر ہوتے ہیں، جسکا تعلق نظام ہضم کی سے ہے یہ تمام اختیارات بیسیوں پر کیے گئے تھے اس کا نتیجہ ان سے یہ برآمد ہوا تھا، کہ خوف اور غصہ دونوں کی وجہ سے معدے کی انہضامی حرکات بند ہو جاتی ہیں، اور خاص خاص غدود کے وظائف مختل ہو جاتے ہیں، غدود کے اختلال وظائف کی ایک میں مثال تو یہی ہے کہ غصہ میں منہ خشک ہو جاتا ہے، اور غم میں آنسو جاری ہو جاتے ہیں، یعنی یہ کہ غصے کی حالت میں ان غدود کی فعالیت رُک جاتی ہے، جب کہ تھوک خارج ہوتا ہے، اور غم میں آنسوؤں کے غدود کام کرنا شروع کر دیتے ہیں، اسی طرح لہ ریشون کا نظام جو نخاع کے درمیانی حصے کے مراکز سے خارج ہو کر معدوں اور گردوں کے قریب غدود سے جا کر ملے ہیں اسکی وجہ عمل انتقام بند ہوتا ہے دل کی حرکات تیز اور غدود کی فعالیت قوی ہو جاتی ہے،

اس نے دکھایا کہ ان جذبات میں وہ غدد متاثر ہوتے ہیں جو گردن کے قریب واقع ہیں اس تمام تحقیق سے ان تمام حشوی اضطرابات کی حقیقت معلوم ہوئی جو جسم کے نزدیک جذبات کے جوہر ہیں۔ لیکن خود ان تمام نتائج کو جسم کے نظریہ کے خلاف سمجھتا تھا، لیکن بقول ہنٹر اس کا یہ خیال غلط تھا، کیونکہ اور کچھ نہیں تو ان سے اتنا تو معلوم ہو گیا، کہ جذبات میں جسمانی اور خصوصیت کے ساتھ حشوی تغیرات کا ہونا لازمی ہے، اس کے علاوہ کینن نے یہ بھی دکھایا کہ خوف اور غصہ میں عضوی تغیرات بعینہ یکساں ہوتے ہیں، لہذا محض ان کی بنا پر ان میں امتیاز ناممکن ہے، لیکن یہاں بھی اس کو غلط فہمی ہوئی جس نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ان حشوی اور دماغی تغیرات کی بنا پر جذبات اور غیر جذبات میں امتیاز کیا کرتا تھا، اس کے علاوہ جو جسمیں خوف اور غصہ کی یکسانیت اور ان کے قریبی تعلق کا قائل تھا، پھر وہ جذبات کے تمام عضویاتی تغیرات میں سے صرف چند کو لے کر یہ کہتا کہ چونکہ ان میں کوئی اختلاف نہیں، اس لیے ان جذبات میں بھی کوئی اختلاف نہ ہونا چاہیے۔ لیکن غلط ہے، یہ مشابہت و مخالفت اس وقت یقین کے ساتھ معلوم کی جا سکتی ہے، جب تمام اضطرابات و اثرات کو پیش نظر رکھا جائے، یہ واقعہ ہے کہ خوف اور خوشی دونوں میں دل دھڑکنے لگتا ہے، لیکن اگر دل کی دھڑکن کے ساتھ عضلات کی حالت کو بھی شامل کیا جائے تو ان دونوں میں بین فرق نظر آتا ہے،

جسم کے نزدیک فقدان احساس اور فقدان جذبہ میں چولی دامن کا ساتھ ہے، کیونکہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ ایک عروم الاحساس شخص محروم ہو کر رہتا ہے، جس کے اس خیال کی تردید گذشتہ اعتبارات سے بخوبی ہو چکی ہے، شیرنگٹن نے دکھایا ہے کہ فقدان احساس فقدان

Body Change in pain, anger, fear and rage
عام نفسیات ص ۱۰۳

جذبہ کا ہم معنی نہیں ہوتا، یعنی یہ کہ اگر حشوی احساسات کا شعور و قوت غلبہ ہو، تب بھی غصہ، خوف وغیرہ باقی رہتے ہیں، پر و فیشر شیرنگٹن کے ان نتائج کی تصدیق الٹی کے ماہر عضویات پیگانے نے کی ہے، ان اعتبارات کے علاوہ بعض اور مثالیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں جو سب کی سب اسی نتیجہ پر صاد کرتی ہیں چنانچہ جی ایچ ابرسکلے نے دو واقعات ایسے بیان کیے ہیں جو جسمیں کے نظریہ کے بالکل مخالف ہیں اسی طرح دو واقعات ایسے مذکور ہوئے ہیں جنہیں ہینا طیفی اثر آفرینی سے فقدان احساس پیدا کیا گیا لیکن ان کے متعلق خود جسمیں کا خیال ہے کہ اس قسم کے اعتبارات قابل اعتماد اور بری عن الحقائق نہیں ہوتے، ان مثالوں میں ایک اور مریض کے ذکر کا اضافہ بھی مفید ہوگا، اس میں حشوی احساسات کا فقدان تھا، لہذا نظریہ زیر بحث کے مطابق اس کے جذبات بھی غائب ہو جانے چاہئیں تھے، لیکن اس مریض کو ایک جذبہ کا تجربہ ہو رہا تھا، حالانکہ اس کے جو اس قدر ضعیف و نحیف ہو گئے تھے کہ اس کو کسی بات کا یقین نہ آتا ہے اس کے عضلات اس قدر کمزور تھے، کہ بولنا، یا چلنا اس کے لیے ناممکن تھا لیکن اس کے باوجود جب اس کو نیند نہ آتی تھی تو اپنی حالت کو بہت زیادہ سمجھتا تھا، اور جاگنے کو مصیبت اور کوفت کے ناموں سے تعبیر کرتا تھا، اس کے بے حس ہونے سے ان تمام اثرات میں کسی قسم کا فرق پیدا نہ ہوا، اسی قسم کے اور بہت سے واقعات بیان کئے جا سکتے ہیں، ان سب کا متفقہ فتویٰ ہے کہ حشوی احساسات تخلیق جذبات کے لیے لازمی نہیں، اور جب ان کو جذبات کیلئے لازمی ہی ثابت نہیں کیا جاسکا، تو پہلا اس کا ثبوت کس طرح ممکن ہے، اگر یہ دونوں ہم معنی الفاظ

سائیکولوجیکل پرنسپلز مصنفہ وارڈ ص ۳۵۵ حاشیہ ۲ رسالہ برین - جلد ۱۱، ۱۲ سٹریو عبد الماجد صاحب نے بھی اپنا ایک تجربہ بیان کیا ہے، جس میں انھوں نے عمل ہینا طیفی سے ایک شخص پر جذبہ خوف کے صرف مظاہر پیدا کیے اور معلوم ہوا کہ اس نے فی الواقع اس جذبہ کو محسوس کیا (فلسفہ جذبات ص ۹۲) اس بنا پر انھوں نے جسمیں کی تائید کی ہے، لیکن بدقسمتی سے خود جسمیں اس قسم کی شہادت کو اپنے لیے بیکار سمجھتا ہے، اگے سائیکالوجی پرنسپلز مصنفہ وارڈ ص ۳۵۵

ہیں ان تمام اختبارات و واقعات کے نتائج اس قدر قطعی اور اذعان بخش ہیں کہ جس کے نظریہ کو کسی طرح بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

یہاں تک ہم نے جس کے خلاف اعتباری اعتراضات کا ذکر کیا ہے، ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ اعتراضات ایسے کمزور تھے کہ جس، یا اس کے ہمدردوں سے اٹھائے نہ اٹھے، اور چونکہ سب اعتبارات پر مبنی تھے، اس لیے موقظاتی تہمتوں سے بھی استمال نہ ہو سکے، لیکن اس نظریہ پر صرف یہی اعتراضات نہیں ہیں، بلکہ ان کے علاوہ اور نظری اعتراضات بھی ہیں، ان سے جس کے خیال کی تردید ہوتی ہے، جس کتا ہے :-

”جذبات احساسی اعمال ہوتے ہیں، جو آئندہ توقعات کا نتیجہ ہوتے ہیں، اور یہ آئندہ مروجہ عالم خارجی کے واقعات و حادثات سے پیدا ہوتے ہیں، دوسرے الفاظ میں یہ احساسی اعمال گویا اشارہ محرک کے اضطراری اثرات ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ اب سوال صرف عقی ہے، یہی نہ کہ یہ شے کن تغیرات کو پیدا کرتی ہے، اور وہ شے کن کو اور کیا وجہ ہے، کہ یہ اشیاء مخصوص تغیرات پیدا کرتی ہیں، کسی اور قسم کے تغیرات کیوں پیدا نہیں کرتیں۔“

اب جو اشارہ ایک خلقی نظام آلات کے ذریعہ سے ان تغیرات کو پیدا کرتی ہیں، ان طبعی اشیاء سمجھنا غلط نہ ہوگا، پھر اس کے ساتھ ہی اس تمام عمل کو اضطراری کہا گیا ہے، اب قصہ یہ ہے کہ اضطراری حرکات کیلئے

سب سے پہلے اس کے مضمون جزئی طور پر مختلف ہوتے ہیں، انصافات میں اس کا اشارہ جسم کی حالت میں تغیر کی علت کی طرف ہوتا ہے، انصافات میں اس سے مراد کیفیت شعور میں تغیر کے سبب سے بچا ہوا ہے، لیکن چونکہ شعور کی کیفیت کے تغیر کا سبب ہمیشہ ہم انسانی ہے، جس کے تحت کہ انسان، تمام نفسیاتی بیجاات کے لئے جاسکتے ہیں، ہمارا مطلب ان بیجاات سے ہے جو نظام عصبی میں ایک تغیر یا بیجاات پیدا کرتے ہیں، ان تمام نفسیاتی بیجاات کی تعریف کو زیادہ وضاحت اور صحت کے ساتھ اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ اس عصبی بیجاات کو نفسیاتی بیجاات کہا جاسکتا ہے، جو شعور کے تغیر کی علت یا اس کا حصول میں اس قسم کے عصبی بیجاات کی تلافی

کی ضرورت ہوتی ہے، نہ کہ اشارہ کی، نالائق سے نالائق ماہر عضویات بھی کہیں یہ نہ کہیں گے کہ اشارہ کی وجہ سے اضطراری حرکات پیدا ہو سکتی ہیں، اگر تھوڑی دیر کے لئے جس کی ہان میں ہان ملا دی جائے، تو ایک ہی شے ہمیشہ ایک ہی قسم کی اضطراری حرکات کا باعث ہونی چاہیے، لیکن

اگر جس کے سامنے پہلے پھر سے مین بند پکچھ لایا جائے، اور بعد ایک آزاد پکچھ اس کے سامنے چھوڑا جائے تو پہلے پکچھ کا وہ تماشا دیکھتا ہے، اور دوسرے کو دیکھتے ہی ہوا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ایک ماہر مینی کے غما، اور مشاق تصور کی تصویر کا اثر ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ پہلی صورت میں ایک ہی علت کے مختلف نتائج، اور دوسری حالت میں دو مختلف علتوں کے ایک ہی معلوم کی توجیہ کس طرح ہو سکتی ہے، اگر یہ مختلف نتائج، یا ایک اشارہ کے اضطراری اثرات ہیں، تو ان کا تعلق یا تشابہ ناقابل فہم ہے، لیکن یہاں جس کتا ہے، کہ وہ شخص ایک منفرد چیز سے متاثر ہو کر رد عمل نہیں کرتا، بلکہ اس کے رد عمل کا اصلی محرک وہ تمام موقع و محل ہے، جس میں یہ رد عمل کیا جا رہا ہے، دوسرے الفاظ میں شے سے مراد وہ تمام موقع و محل ہے، نہ کہ ایک شے واحد، ہم اس کو تسلیم کئے لیتے ہیں، لیکن اس توضیح سے جس اپنے آپ کو اور کڑی مشکلات میں پھنسا لیتا ہے، پہلے اس کے نزدیک شے ہم معنی تھی، اب اس کے جو ایک خلقی نظام آلات کی مدد سے ایک برآئندہ اخراج میں تحلیل ہو جاتا ہے، اب اس جو یہ توضیح کے مطابق شے مترادف ہو جاتی ہے، اس مجموعی موقع و محل کے جس کا وہ جواب دیتا ہے، لیکن غائر نظر کو شے کی ان دونوں دلائلوں میں ایک جہاں اختلاف دکھائی دیتا ہے

بقیہ حاشیہ (۱) علین ہو سکتی ہیں (۱۱) کوئی دوسرا عصبی عمل (۱۲) اس سے متعلق کوئی اور حیوانی یا عضوی عمل (۱۳) طبعی یا کیمیائی عمل جو جسم سے خارج ہو، بیجا اور عصبی بیجا اور پکچھ بحث کے لئے پروفیسر کچھ کی کتاب BIKINE OF PSYCHOL. صفحات ۸۷ وہ بعد کا مطالعہ مفید ہوگا، لے ڈاکٹر دارڈسٹ، لے جس کا مضمون PHYSICAL BASIS OF ENDOHAI مندرجہ سائیکولوجیکل ریویو ۱۹۹۱ء صفحہ ۱۰۱ حاشیہ ۱۰۱

اب ظاہر ہے کہ "شے" کے ان ہی رد و فون اسم میں سے ایک کو ہم کو اختیار کرنا ہے۔ اگر ہم اول الذکر مفہوم کو اختیار کرتے ہیں، تو انسان ایک ذی شعور خود کار نہیں بن جاتا ہے، اور اس کا جسم منکر ہے۔ لہذا یہ مفہوم خود جسم کے خیال کے مطابق ناقابل قبول ہے، اب رہ گیا دوسرا مفہوم، اگر اس کو تسلیم کیا جائے، تو ہم کو بالضرورت یہ بھی بتانا پڑتا ہے کہ اس رد و عمل کے صدور کے لیے فاعل کی وضع و حالت بھی لازمی ہے اور اس کے علاوہ یہ بھی ناقابل انکار ہو جائیگا کہ مسرت یا الم اس رد و عمل کی تعیین کرتے ہیں، یعنی یہ کہ اس رد و عمل کے ساتھ ہماری کوئی غرض، یا دلچسپی وابستہ ہے۔ لیکن جب ہم ان دونوں باتوں کو تسلیم کر لیتے ہیں، تو پھر جسم کے نظریہ کو قبول کرنے کی گنجائش نہیں رہتی، کیونکہ جذبات کی یہی قلیل ہے، جو ماہرین نفسیات میں جسم کے وقت تک مرد ج بھی، فرق صرف اتنا ہے کہ اس تمام بحث سے وقت یا قیمت کا ایک اور مقولہ رد و فون میں آجاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ اس سے ہر عضو یا ت کو کوئی سروکار نہیں ہو سکتا، اس میں شک نہیں کہ اس کا وجود غور و خوض کے بعد معلوم ہوتا ہے، لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جن تجربات سے اس کو اخذ کیا جا رہا ہے ان کا مقدم ہونا ضروری ہے، ہمارا مطلب فاعل کے تاثری میلانات سے ہے، ان کی تقدیم ضروری ہے۔

کہ ان ہی کی وجہ سے وہ خارجی موقع و محل اس شخص کے لیے قیمتی ہے اور واقعہ بنتا ہے اور اس شخص کی وضع و قیمت کی توجیہ بھی صرف اسی بنا پر ممکن ہے، اسی بنا پر جسم کے سوالات، متعلق بہ علت جذبات کا جواب دیا جاسکتا ہے۔

لیکن بہت جلد یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ یہ تمام علی سوالات خود جسم کے لیے بھی محض ضمنی تھے، اس کا اصلی دعوٰی یہ تھا، کہ جذبے میں عضوی احساسات کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا، اپنے اس دعوٰی کو ثابت کرنے میں وہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا، بجائے اس کے کہ وہ

لے پرنسپلز آف سائیکولوجی جلد اول، باب پنجم، ص ۲۵۰ دارالعلوم اسلامیہ کراچی پرنسپلز ص ۲۵۰

ان اشیاء کی طرف اشارہ کرتا، جو جذبات کا باعث ہوتی ہیں، اس نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کسی جذبہ کی جسمانی علت پیدا ہو جائے، یہ کسی طریق اور کسی وجہ سے ہو تو وہ جذبہ بھی پیدا ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ اس جذبے کا بلا معروض یا بلا علت خارجی کے پیدا ہونا بھی ممکن ہے، یہی جسم کی اس تناقض سیاقی و مزید روشنی پڑتی ہے، جسکی طرف ہم پیچھے کہیں اشارہ کر آئے ہیں، ایک طرف تو وہ کہتا ہے کہ جسمانی تغیرات جذبے کی تکوین کے لازمی اجزا ہیں، لیکن بیان اس کا عندیہ صاف طور پر یہ ہے کہ جذبات اور عضوی احساسات کے مجموعے میں شرکت وجود ہی نہیں، بلکہ اتحاد و ماہیت بھی ہے، اب چونکہ یہ جذبہ بلا معروض ہے، اس لیے وہ "شے" جو اس کا محرک بنتی ہے، عضوی یا ت ہو گی، نہ کہ نفسیاتی یعنی کہ یہ جذبہ کسی ایسے ہیج کا نتیجہ ہو گا، جو ان عضوی احساسات کو پیدا کرے گا۔ نہ اس مجموعی موقع و محل کا، اس خیال کی تائید میں جسم نے علم الامراض کے واقعات بیان کئے ہیں یہ صحیح ہے کہ جذبہ خارجی حیثیت سے بلا معروض ہو سکتا ہے، لیکن ان واقعات سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ داخلی محاط سے بھی ان کا کوئی معروض یا ان کی کوئی علت نہیں ہوتی، برخلاف اس کے ان کا منشاء اس قدر ہے کہ یہ علت غیر واضح اور مبہوم ہوتی ہے، قانون تلازم کے اس عمل سے ہر شخص واقف ہے، کہ عضوی اضطرابات و اختلالات اس بخیلہ کو دوبارہ زندہ کرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں، جو ان کے ساتھ کبھی پہلے تلازم ہو چکا ہے، لیکن جب تک کہ اس بخیلہ کا احیا نہیں ہوتا، اس وقت تک وہ عضوی اضطرابات جذبی نہیں بنتے اس میں بھی کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ صحیح الذہن شخص میں معمولی سے معمولی واقعات بھی ان متلازمات کے احیا کے لیے کافی ہوتے ہیں، صرف شرط یہ ہے کہ ان کا جسم سقیم ہو، اور جب جسم اور ذہن دونوں سقم کی حالت میں ہوں، تو کسی خارجی سبب کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، کیونکہ ایسی حالت میں داخلی اسباب کی بہتات ہوتی ہے، اور ان کی

لے جسم ص ۲۵۰، دارالعلوم اسلامیہ کراچی پرنسپلز ص ۲۵۰

کی وجہ سے ان سلازات کا اجار ہو جاتا ہے اور ان کے اجار سے وہ عضوی مضطرب جذبہ پیدا کر لیتا ہے۔

اس تمام بحث کے بعد دار و اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ :-

جیسے رنگ کا نظریہ نفسانی اور حیاتیاتی نقطہ نظر سے بالکل مندر ہے، اس میں علت کو محمول اور معلول کو علت ثابت کیا گیا، ہی ظم الامراض کی طرف اس کا مراعہ و اعتنا ہے کار اور اصولاً غلط ہے، جذبہ ہمیشہ حسیّت کا مظہر ہوتا ہے اور حسیّت کا محسوس کرنے والی ذات کیلئے کوئی نہ کوئی خارجی سرمدض ہو کر رہتا ہے، جذبہ کسی صورت میں بھی ارتساعات کے اصول کا ہم نہیں ہوتا، بلکہ یہ ہمیشہ ان کا جواب ہوتا ہے، یہ جواب عام طور پر کم و بیش منتشر و دوہری تحریک سے مرکب ہوتا ہے جو دوران خون اور دیگر نباتاتی اعمال میں تغیرات پیدا کرتی ہے اور وہ قوی یا ضعیف جذبات، مثلاً غصہ و دہشت وغیرہ میں ارادی عضلات کی مخصوص قوت یا صنعت پیدا کرتی ہے، جیسے یا رنگ کے نظریہ نے یہ (تخیلاً) ثابت نہ کیا، کہ حرکی اجزاء جذبی مظہر میں عضوی اجزاء کے برابر مزدوری نہیں، یا (تخلیقاً) یہ کہ عضوی اجزاء حقیقی معنوں میں حرکی اجزاء کی طرح داخلی و خارجی طور پر متعین نہیں ہوتے، شروع سے لیکر اخیر تک یہ نظریہ عضویات کے غلط استعمال کی ذمہ مثال ہے۔

ہم کو ذاتی طور پر ڈاکٹر دار و کے اس نتیجہ سے کلی اتفاق ہے، اصل یہ ہے کہ جیسے کے نظریہ پر کوئی تسلی بخش بحث نہیں کیا جاسکتی وجہ اسکی یہ ہے کہ کچھ تو خود جیسے کے اصلی خیالات میں تغیر ہوا اور کچھ حقیقت اور زیادہ موافق تنقید و ن سے اسکی اصلی شکل و شباهت مسخ ہو گئی، اس نظریہ کی بعد کی صورت میں بعض باتیں اصلی عقیدہ کے بالکل منافی ہیں، چنانچہ اس کی طرف ہم پیچھے اشارہ کر چکے ہیں، ایک ہی نظریے

کے اس قدر متناقض بیانات ظاہر ہے کہ تمام بحث اور صحیح تنقید کو نا ممکن کر دیتے ہیں، مثال کے طور پر یہ بیان کیا جاسکتا ہے کہ اس نظریے کے خلاف ایک اعتراض یہ ہے، اگر جذبہ کو بغیر عضوی تغیرات کے تصور میں نہیں لایا جاسکتا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ دونوں ہم معنی الفاظ ہیں، رنگ نیز استدراک کے، اور بادشاہ بغیر سلطنت کے، ناقابل تصور ہیں، لیکن کیا اس سے یہ لازم آتا ہے، کہ یہ دونوں ہم معنی ہیں؟ کیا رنگ کو امتداد اور بادشاہ کو سلطنت کہا جاسکتا ہے؟ اگر ہم جیسے کے اصلی الفاظ کو ملحوظ رکھیں، تو اس کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ صاف کہہ رہا ہے کہ عضوی اضطرابات کے احساس کا نام جذبہ ہے، لیکن جو توضیح اس نے اپنے نظریہ کی بعد میں کی ہے، اس کے مطابق یہ اعتراض بالکل بے کار ہے، کیونکہ بیان خود تسلیم کر رہا ہے، کہ یہ عضوی اضطرابات جذبات کے ہم معنی نہیں بلکہ ان کے ضروری اجزاء ہیں، اب ہم ان دونوں جوابات میں کسی ایک کو اختیار کر سکتے ہیں، اسی طرح ایک اور اعتراض یہ کیا جاتا ہے، کہ اگر عضوی اضطرابات کے شعور و وقوف ہی کا نام جذبہ ہے، تو کیا وجہ ہے کہ ایک ہی جذبہ مختلف حالات میں مختلف اضطرابات پیدا کرتا ہے؟ مثلاً خوف کی حالت میں ہم کہیں بھاگ جاتے ہیں، اور کہیں ہماری تمام حرکات بند ہو جاتی ہے اور ہم جہان کھڑے تھے وہیں کھڑے کے کھڑے رجحانے ہیں، اس کا جواب بھی جیسے کی بعد کی توضیح کی بنا پر ممکن ہے، یعنی یہ کہ دونوں میں ناگواری کی حسیت مشترک ہوتی ہے، اور یہ اشتراک منی ہوتا ہے، عضوی اضطرابات کے اشتراک پر اس کے اصلی بیان کے مطابق یہاں بھی کوئی جواب نہیں بن پڑتا، اسی نوع کے اور اعتراضات بھی ہیں جن کا جواب دینا اسی وجہ سے متعسر ہوتا ہے،

بعض مصنفین تو محض جدت کی لذت کی وجہ سے اس نظریہ کی حمایت کرتے ہیں، ان کے پاس کوئی دلائل اس قسم کے نہیں ہوتے جن سے وہ اپنے اس دعویٰ کو ثابت کر سکیں، صرف گول گول

الفاظ اور حکماء انداز میں وہ جس کا بیان کر کے کہہ دیتے ہیں کہ اس کے خلاف کسی شہادت کا لانا ناممکن ہے اور یہ کہ اس کے موافق شہادتیں اس قدر کثیر اور اس قدر قطعی ہیں کہ ان کا انکار ناممکن ہے لیکن بحالت موجودہ بہترین فیصلہ فرامیسی فلسفی ریو نے کیا ہے اس نے جیسے دلیلیں کے ساتھ اصول اتفاق کرتے ہوئے ان کے طریق اظہار کی مخالفت کی ہے یہ ظاہر ہے کہ یہ دونوں بھی قدیم نظریہ کے حامیوں کی طرح جسمانی اضطرابات اور ذہنی تغیرات کے قائل ہیں متقدمین اور ان متعارض فیہ ان کی تقدیم و تاخیر ہے یعنی یہ کہ جس نظریہ کی براندازی پر انھوں نے کمر باندھ دیا ہے اس کے مطابق ذہنی تغیرات مقدم اور جسمانی حالات تاخیر ہیں لیکن ان کے نزدیک ذہنی تغیرات تاخیر ہیں اور جسمانی اضطرابات مقدم اسی کو دوسرے الفاظ میں اس طرح بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ متقدمین کے نزدیک جذبہ علت ہے اور جسمانی مظاہر معلول اور ان کے جان جسمانی مظاہر علت ہیں اور جذبہ معلول ریو نے یہ ترمیم پیش کی ہے کہ اس مسئلہ میں سے علت و معلول کا سوال اڑا دینا چاہیئے اور اس کی بجائے اس طرح کے بیرونی و صورت سے اس کی توجہ کی کوشش کرنی چاہئے اس طرح کہ جسمانی واقعات کو بیرونی سمجھا جائے اور ان کے مقابل نفسی کوائف کو صورت یعنی یہ کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم ملزوم ہو جائیں اس خیال کی بنا اس حقیقت پر ہے کہ شعور کی کسی حالت کو جسمانی حالت سے منتشر نہیں کیا جاسکتا ان دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے یہ دونوں کے دونوں ایک کے اجزاء ایک تصویر کے دو رخ ہیں اور اس لیے ان کا مطالعہ بھی ساتھ ساتھ ہونا چاہیئے چہرہ اور جسم کی حرکات اور محرک اور محسوس وغیرہ کے تغیرات اگرچہ خارجی مظاہر ہیں اور ان کے مقابلہ میں نفسی واقعات ہیں ان میں تقدیم و تاخیر ہو سکتی ہے نہ ہوتی ہے عام طور پر ایک ہی واقعہ کو مختلف نقطہ نظر سے بیان کیا جاتا ہے

لحمہ نفسیات جذبات صفحہ ۱۱۳

جیسا کہ ہم نے کہا ہے مدعی کی تاقض بیانی اس کے متلون عقائد اور ہر روز بدلتے والے خیالات کو دیکھتے ہوئے ریو کا فیصلہ بہترین ہے لیکن اگر نظر اسمان دیکھا جائے تو ریو نے نہایت ہوشیاری و جلال کی سے شہد کی لکھنوں کے اس چھتے کے قریب جانے سے یہ لکھا ہے آپ کو بچایا ہے کہ دونوں حق بجانب ہیں یہ صحیح ہیں کہ نفسی واقعات جسمانی تغیرات کے بغیر ناممکن الوقوع ہیں یہ مسلم ہے کہ ذہن اور جسم کا گہرا تعلق علوم جدیدہ خصوصاً عصبیات اور تشریح الاجسام نے آئینہ کر دیا ہے لیکن جذبات میں ان دونوں میں فصل زمانی نہ ہونے کا مطلب پوری طرح واضح نہیں ہوتا شرح رفتار و سرعت و رفتار حرکت کے دو پہلو کہے جاسکتے ہیں لیکن جذبہ اور اس کے مظہر میں اس قسم کا تعلق نہیں ہوتا ہمارا دماغ بلحاظ مقام کے ہمارے جسم کا ایک علیحدہ حصہ ہے دماغ کا تہج جن عضوی تغیرات کو پیدا کرتا ہے وہ عصبی اعمال کے نتیجہ پر ہوتا ہے اس وجہ سے یہ کہنا بعید از محتمل نہ ہوگا کہ عصبی اعمال کا وجود اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ یہ اپنے آپ کو ظاہر کر سکنے پر قادر نہ ہوں اور اس لیے ان دونوں کو ایک ہی واقعہ کے دو پہلو کہا جاسکتا ہے لیکن عیس کے نظریہ میں سوال یہ ہے کہ آیا اول عصبی اضطرابات بذات خود جذباتی قسم کے شعور یا کم از کم اس شعور کو مستلزم ہیں کہ نہیں جو ایک مکمل جذبہ کا جزو ہوتا ہے جیسے اس کو تسلیم نہیں کرتا کیونکہ اس کا خیال ہے کہ اول عصبی اضطرابات پہلے آلات و اعضاء جسم میں تغیرات پیدا کرتے ہیں اور یہ تغیرات پھر نظام عصبی پر عمل و اثر کرتے ہیں قبل اس کے جذبہ پیدا ہو اس دوسرے عمل و اثر کے ساتھ جو شعور متعلق ہے اسی کو جیسے جذبہ کہتا ہے ابتدائی عصبی تہج کو وہ ادنی مراکز کے تہج کا نتیجہ سمجھتا ہے اور اس لیے شعور میں اس کے مقابل کوئی چیز نہیں ہوتی یہ صحیح ہے کہ جیسے نے اس ابتدائی ادراک کو جو جذبہ کا باعث ہوتا ہے واقعہ میجر کا ادراک کہا ہے لیکن اس سے اس کا اشارہ ذہنی تہج کی طرف نہیں اس واقعہ کو "میجر" اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس کے ادراک سے عضوی تغیرات پیدا ہوتے ہیں اور یہ عضوی تغیرات ایک رد عمل کے طور پر ذہنی

نتیجہ کا باعث ہوتے ہیں اس کا یہ قول کہ ان تغیرات کا بحالت وقوع احساس جذبہ ہے ہمارے اس بیان کی تائید کرتا ہے اس کے علاوہ وہ صاف طور پر کہہ رہا ہے کہ واقعہ صیغہ کے ادراک کے فوراً بعد جسمانی تغیرات پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جسمانی تغیرات اس واقعہ کے بعد ہوتے ہیں جو انکا باعث ہوتا ہے نہ اس واقعہ کے بعد جو ہم کو متنبہ کر رہا ہے، اگر یہ مفہوم ہمیں کا نہیں، تو اس کے نظریہ میں کوئی نئی بات بھی نہیں، کیونکہ اس سے کسی کو انکار نہیں کہ عضوی اضطراب ایک مکمل جذبہ کا جزو ہوا کرتا ہے، چنانچہ میں نے اس کی اسی قدر شد و مد سے حمایت کی ہے اور ہم بھی اس کے منکر نہیں، لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے جیسا کہ ڈاکٹر وارڈ نے کر دیا ہے کہ اس عضوی اضطراب سے قبل ذہنی نتیجہ ہوتا ہے، تو اس نتیجہ کو بھی جذبہ میں شامل سمجھنا چاہیے۔

مختصر یہ کہ جس کا نظریہ کسی حیثیت سے بھی قابل قبول نہیں ٹھہرتا، ریو کا فیصلہ اس بحث سے بچھا پھرانے کا بہترین ذریعہ ہے، ورنہ یہ بھی لائق تسلیم نہیں، اور نہ واقعات اور ہمیں کے بیانات سے اسکی تائید ہوتی ہے جس کا نظریہ غلط اور بے کار سی، لیکن اس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ جذبات کی بحث کا عضویاتی پہلو روشن ہو گیا جس پر اس سے قبل کسی نے توجہ نہ کی تھی، اس کے تردید کے لیے شبرنگٹن وغیرہ کے اختبارات سے یہ پہلو روز بروز روشن تر ہوتا چلا گیا، اگر نفسیاتی پہلو بجائے روشن ہونے کے، مدہم پڑنا گیا، غالباً اسی وجہ سے ڈاکٹر سٹائٹ نے اس کو "عضویات جذبات" کے نام سے یاد کیا ہے، اس لحاظ سے یہ نظریہ یقیناً قابل توجہ اور لائق تحقیق ہے، نفسیاتی نقطہ نظر سے تو صحت یہ کہا جاسکتا ہے کہ

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جانیجاست

لے مینڈل آن سائیکولوجی صندھ سٹائٹ ۱۹۰۵ء تا ۱۹۱۰ء

لے گرانڈوڈک آن سائیکولوجی، بحث جذبات

آثار قدیمہ

از شمس العلما حافظ ذریعہ صاحب نائب ناظم حکمران آثار قدیمہ عجائب خانہ، کلکتہ

گذشتہ دہرہ کی تعطیل میں آثار قدیمہ دکتب نایاب کے لیے علی گڑھ کا سفر کیا، اپنے معزز لائق و فائق دوست جناب مولوی حاجی سید محمد حسن شاہ کے دولت کدہ پر فروکش ہوا یہ بھی آثار قدیمہ کے بڑے شیفتہ اور علم دوست شخص ہیں، ثابت خان کے تالاب کے مقابلہ میں ان کا مسکن ہے، علی گڑھ میں تحصیلداری کے عہدہ پر مامور ہیں، وہاں کے آثار قدیمہ کی نسبت وسیع معلومات رکھتے ہیں چند قلمی اور نادر اشیاء ان کے پاس بھی ہیں،

چکول گدائی (۱) چکول گدائی جے فقرا نایل کے کھڑے کا سیاہ رنگ کا بناتے ہیں، اور چادری وغیرہ جو خیرات اور بھیک سے ملتا ہے اس میں جمع کرتے جاتے ہیں، یہ چکول عجیب بے نظیر اور دلچسپ گویا زیادہ قدیم نہیں، طول ۱۱ انچ، عرض ۴ انچ، موٹائی ایک فٹ چار انچ ہے، اس کا بناؤ اور گلاکاریان اور نقوش وغیرہ کرنے والا مرزا محمد علی نامی کوئی شخص ہے، اور یہ کھنڈل مر علی شاہ کیلئے بنائی گئی تھی، ایک رباعی حافظ کی نہایت اعلیٰ اور بہترین نستعلیق میں کندہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ مر علی شاہ، اور محمد علی عامل و نقاش دونوں ایرانی تھے، (سبباًعی)

مردی زکندہ در خیر پر س

گر تشنہ رحمتی ز فیض از حافظ

"میر علی شاہ، علی مرزا محمد علی، نیچے تحریر ہے"

حبیب گنج کاتب خانہ دودن قیام کے بعد میں حبیب گنج بھگن پور جو شہر سے ۲۰ کوس کی مسافت پر ہے

اپنے قدیم کر مزار مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شردانی، صدر الصدور ریاست دکن کے کتب خانہ کے مہمانہ کے لیے کیا مولانا کے صاحبزادے مولوی عبید الرحمن خان صاحب ام، الہی موجود تھے لیکن سوا اتفاق سے متم کتب خانہ علیل تھے اس لیے مجھے تفصیلی طور پر کتب خانہ دیکھنے کا موقع ملا۔ سرسری نظر سے دیکھا، مولانا کو ۴۰ سال سے کتابوں کی فراہمی کا اذہد شوق ہے اور زر کثیر صرف کرتے ہیں، تقریباً ۱۰۰۰ اقلی اور ۲۰۰۰ ہزار مطبوعہ تقریباً ۳ ہزار کتابیں موجود ہیں، اور کتب خانہ نما ای معاف دیا کیزہ ہے مگر شرح فہرست نہیں، صرف داخلہ کتب کی فہرست ہے مین نے مولانا کو صلح دی ہے کہ شرح فہرست مرتب کریں تاکہ طلبا مستفید ہوں،

شیر خیر عالمگیری کتب خانہ میں ایک تاریخی تلوار عالمگیری کی ہے جس کا نام ظفر تکیہ ہے، (تلوار پر بھی پیام کندہ ہے)

۱۰۹۰ھ مطابق ۲۰ جولائی مطابق ۲۰ محرم الحرام کو عالمگیری نے شیر خیر تکیہ مع قبضہ مرصع ظفر تکیہ اسی صد بیگہ زمین پر گنہ حویلی سرکار و صوبہ آباد سے قاضی شیخ محمد دائم ولد شیخ محمد قائم کو عطا فرمایا تھا جو مندرجہ ذیل فرمان سے ظاہر ہوتا ہے، یہ فرمان اور شیر خیر تکیہ مع قبضہ مرصع کے دونوں اس کتب خانہ میں موجود ہیں،

مروی ہے کہ شہنشاہ عالمگیری جب تخت دربار پر اجلاس فرمایا کرتے تھے اسی تلوار پر فیک ویکر اٹھا کرتے تھے یہ تلوار دربار میں برابر ان کے دست مبارک میں رہا کرتی تھی، والدہ اعظم بالذات

نقل فرمان عالمگیری

دین و ملت عین ان فرمان والا شان واجب الاذعان صادر شد کہ خدمت قضا بدہ صوبہ الہ آباد مع سوا و قریات و متعلق آن از انتقال محمد ظریف بشیخ محمد دائم ولد شیخ محمد قائم ۱۰۰۰ بلا تصور یومیہ از خزائن بلکہ مذکور سید بیگہ زمین از پر گنہ حویلی سرکار و صوبہ مزبور از انجملہ

۱۰۰۰ سید بیگہ باز یافت غلام رسول قاضی سابق دیکھد بیگہ زمین او فنادہ لائق زراعت خارج جمع مع قبضہ ظفر تکیہ مرصع بشرط خدمت و عدم عہد ہرانہ و تکیا خانہ در و جد و معاش او حسب اظہار مقرر باشند کہ ہوازم و مراحم آن کا تہنیتی پرواز و در شرعیات و قطع و فصل قضایا و معاملات و دفع دعاوی و خسرات و عقود انکھ بلاولی و قسمت تبرکات و کتابت و صلوک سجلات و تحریریں و ترغیب مردم بطاعات و عبادات و اجراء حدود و تعزیرات و اقامت جمعہ و جماعات و تحقیق اموال غیب و ایام نیمین و بیاد نصب قوام مساعی موقوفہ بقدم رساند، باید کہ حکام و عامل و متصدیان مہات و دار و عنکان و مشرفان و جاگیرداران و کور و ریان حال و استقبال اور قاضی انجاد اند و یومیہ مزبور را موافق ضابطہ و معمول باور سانیدہ باشند، و زمین افتادہ را پیو دہ و حک تسیہ مع اراضی باز یافت بصرف او باز گزارند و اصلا و مطلقاً بغیر و تبدل بدان راہ نہ ہند و علت مال و جہات و اخراجات مثل قلعہ و پیشکش و جریبانہ و ضابطانہ و محصلانہ و ہرانہ و دار و عنکانہ و پیکار و شکار و مقدمی و قانون گوئی و ضبط ہر سال بعد تشخیص حکم تکرار زراعت و کل مطالبات سلطانی و تحالیف دیوانی مزاحم نشوند، و اندر باب ہر سال سند مجید و بطلیند و اگر در محل دیگر چیز سے داشتہ باشند انرا اعتبار نکنند، طریق جمہور سکنہ و متوطنین بلکہ مرقوم انکھ خطوط مقالات و صلوک و سجلات را بخط و ہر او مقبر شمارند، بستم محرم الحرام سال چہل و یکم جلوس والا نوشتہ شد،

تَلخیصِ تبصّرات

جرمنی میں تعلیمی جدوجہد

چند ہجرت گزے کہ ترکی سے پروفیسر کمال بک — جو پہلے ولایت ادرنہ میں انسپکٹر تھے اور آج کل ٹریننگ کالج آستانہ میں درس دیتے ہیں — جرمنی بھیجے گئے تاکہ وہاں کے تعلیمی نظام کا مشاہدہ کریں، انھوں نے واپس آکر ایک بیان شائع کیا ہے جس سے جرمنی کے تعلیمی حالات پر روشنی پڑتی ہے، اس بیان کا اقتباس مقرر کے مجلہ الزہراء بابت ماہ رمضان میں شائع ہوا ہے جس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے،

پروفیسر کمال بک جرمنی کے ایک مشہور کن تعلیمی سے ملے تھے، جو ایک کالج میں پروفیسر بنے، انھوں نے ترکوں کو اپنے صیغہ تعلیم میں جرمنی کے نقش قدم پر چلنے کا مشورہ دیا، اور پھر جرمنی کے نظام تعلیم کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا، ”جرمنوں کا دستور ہے کہ جب وہ کسی نظام میں کوئی خفیت تغیر و تبدل بھی کرنا چاہتے ہیں تو اسے مدہ سے دراز تک زیر غور رکھتے ہیں، اور خصوصاً نظام تعلیم میں تو بغیر طویل غور و خوض کے ادنیٰ سے ادنیٰ تغیر بھی نہیں کرتے ہیں“ چنانچہ اس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ جرمنی میں جو نظام تعلیم اس وقت رائج ہے، وہ اس کا قائم کردہ ہے، اس اشت میں جب تک ہوتی رہی ملک میں متعدد انقلابات ہوئے، نظام شاہی درہم برہم ہو گیا، مختلف انجیال انجی کے ہاتھ میں حکومت کی باگ آئی لیکن وہاں کے نظام تعلیم میں کوئی معمولی تغیر بھی رونق نہیں ہوا،

وہاں کے تعلیمی حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ اواخر ۱۹۲۵ء کی مردم شماری کے مطابق وہاں کی آبادی ۶۲ ملین ہے جس میں ۹۰ فیصدی تعلیم یافتہ ہیں، ۱۹۱۴ء کے نظام تعلیم کے لحاظ سے وہاں مدارس کے تین زبے ہیں، ابتدائی ثانوی اور علیا، بچے جب چھ برس کی عمر کو پہنچتے ہیں تو وہ مدرسہ ابتدائی میں داخل کر دئے جاتے ہیں، مدرسہ ابتدائی میں دو قسم کے بچے پڑھتے ہیں، کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کے سرپرست انھیں صرف ابتدائی تعلیم دلانا چاہتے ہیں، بچے مدارس ابتدائی میں آٹھ سال تک رہتے ہیں، اس مدت میں انھیں مناسب تعلیم دیکر چھوڑ دیں جس کی عمر میں مدرسہ سے رخصت کر دیا جاتا ہے، پھر ان کے سرپرست انھیں برسر روزگار لانے کے لئے ایک خاص قسم کے مدرسہ میں بھیجتے ہیں جنھیں وہاں (BEIRUFF) صنعت و حرفت (OORTBALDUNG) کہتے ہیں، ان طلبہ کو ان مدارس میں چار سال تعلیم دی جاتی ہے، اس طرح اٹھارہویں برس معمولی نوشت و خواند کے ساتھ ان میں اتنی صلاحیت جاتی ہے کہ وہ کسی کارخانہ یا دفتر میں ملازمت کر کے بسر اوقات کر سکیں، یا اپنا کوئی ذاتی کار کر کے زندگی بسر کریں اور مدارس ابتدائیہ میں کچھ بچے ایسے ہوتے ہیں جن کے سرپرست انھیں اعلیٰ تعلیم دلانا چاہتے ہیں، یہ بچے ان مدرسوں میں چار سال تک رکھے جاتے ہیں، پھر انھیں درس ثانویہ میں بھیجا جاتا ہے جہاں وہ نو سال تک تعلیم پاتے ہیں، پھر اس کے بعد وہ مدارس عالیہ میں پہنچتے ہیں، اور یہاں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے تعلیمی زندگی ختم کر دیتے ہیں، یہاں کے مدارس ثانویہ بھی ایک خاص نوعیت رکھتے ہیں، یہ مدارس تین قسم کے ہیں، طلبہ اس وقت کے لحاظ سے ان تینوں قسم کے مدارس میں سے کسی کو منتخب کر کے اس میں داخل ہو جاتے ہیں، کیونکہ ان تینوں قسم کے مدرسوں میں مدارس عالیہ کی تعلیم کی مناسبت سے مختلف نوعیت کی تعلیم دی جاتی ہے مثلاً کوئی طالب علم مدارس عالیہ میں علم ہندسہ لینے کا ارادہ رکھتا ہے، تو اس کو مدارس ثانویہ میں سے

اسی مدرسہ کو منتخب کریگا جس کا نصاب تعلیم مدارس عالیہ کے علم ہندسہ کی تعلیم کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے بنایا گیا ہے اور انھیں وجوہ کی بنا پر بعض مدارس ثانویہ میں غیر ملکی زبانوں میں فرانسیسی پڑھائی جاتی ہے بعض میں لاطینی اور بعض میں کوئی دوسری زبان،

جرمنی میں تعلیمی جدوجہد کے سلسلہ میں یہ معلوم کرنا نتیجہ خیز ہو گا کہ وہاں کے مدرسوں میں مذہبی تعلیم لازمی اور جبری ہے صرف بعض صورتوں میں بعض طلبہ کو ان کے سرپرستوں کی مخالفت کی بنا پر اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا جاتا ہے،

ب سے آخر میں وہاں کے مدرسوں کے مجموعی اعداد و شمار پیش کئے ہیں، وہ یہ ہیں: ۱۳۲۲ء
 ۱۳۲۲ء کے اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ جرمنی میں سرکاری ابتدائی مدرسے ۵۲ ہزار اور غیر سرکاری ۸۶۰ ہیں جن میں ۸۵ ہزار ۸۰۰ طلبہ و طالبات زیر تعلیم ہیں، علاوہ ازیں دوسرے ابتدائی مدارس جو انصاف بہروں اور گونگوں کے لئے ہیں ۱۷۹ ہیں جن میں ۴۴ ہزار ۵۰۰ طلبہ و طالبات ہیں، ان مدرسوں کے بعد مدرس ثانویہ میں جنکی مجموعی تعداد ۱۳۲۳ ہے جن میں ۲۴ ہزار ۴۰۰ اساتذہ اور ۳ لاکھ ۵۱ ہزار ۹۱۳ طلبہ ہیں اور ۲۳ مدارس جامعہ ہیں جن میں ۲۵۶۴ اساتذہ اور ۸۵ ہزار ۱۷۰ طلبہ اور ۸ ہزار ۱۴۲ طالبات ہیں،

ان تمام مدارس کے علاوہ ۶ مدرسے تجارت کی تعلیم کیلئے ہیں، ۱۱ مدرسے صنعت و حرفت کیلئے، ۱۱ موسیقی سکھانے کے لئے، ۱۶ مدرسے فنون جمیلہ کے لئے، اور ۴۴ مدارس زراعتیہ ہیں، ۳۲ مدرسوں میں جنگوں کے متعلق اور ۳ مدرسوں میں مصادن کے متعلق تعلیم دی جاتی ہے،

ہندوستان اور کیتخانے

موجودہ ترقی یافتہ دور میں ہندوستان میں کتب خانوں کو خاص اہمیت حاصل ہے، چنانچہ برٹش میوزیم میں تقریباً پانچ ملین کتب ہیں، وائٹنگٹن کانگریس کے کتب خانہ میں کتابوں کی تعداد

تقریباً ڈھائی ملین ہے، اسی طرح جاپان میں جو متمدن ملک کے دوش بدوش قدم پر چار ہزار ہست است ایسے کتب خانے قائم ہیں جن کے اخراجات کا بڑا حصہ خود حکومت جاپان ادا کرتی ہے، لیکن کیتخانوں کے قیام اور انکی ترقی کے اعتبار سے ہندوستان کی حالت نہایت یاس انگیز ہے، خصوصاً جب ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی سرزمین ہے جس میں کبھی ٹیکسلا، نالندہ، ویکرام سلا، اور اودانت پوری کے کیتخانے موجود تھے، اور قدیم نایاب تصاویر اور موجودہ دیگر تاریخی تحقیقات کے علاوہ بہت سے غیر ملکی سیاحوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان بے بہا کتب خانوں میں ہزار ہا قلمی نسخے موجود تھے جو نہ منزلہ عالیشان عمارتوں میں آراستہ تھے، اور یہ کیوں نہ ہوتا جبکہ یہ کتابیں ہندو، جین، اور بدھ مت کی عبادت گاہوں میں بطور ایک مذہبی فرض کے محفوظ رکھی جاتی تھیں، لیکن آج یہاں اس علمبردار تہذیب حکومت برطانیہ کے شاندار عہد میں صرف ایک سرکاری بلیک لائبریری گلکٹہ میں پائی جاتی ہے، جو کتب خانہ میں لارڈ منکات کی یادگار میں قائم کی گئی تھی اور اسی میں سابق "امپیریل لائبریری کے سکرٹریٹ لائبریری، کو مدغم کر کے ۸۸ ہزار دو سو بیس سالانہ خرید کتب کیلئے مقرر کئے گئے تھے، اس کیتخانے کے علاوہ گلکٹہ یونیورسٹی اور ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کیتخانے ہیں، لیکن ان کے دروازے عام لوگوں پر بند ہیں، اس لئے عام لوگ ان سے کوئی استفادہ نہیں کر سکتے، اسی حالت میں ملک میں ان کا وجود و عدم مساوی حیثیت رکھتا ہے، ان کے علاوہ دیگر یونیورسٹیوں کے کالج و اسکول میں بھی کتب خانے قائم ہیں، لیکن ان سے بھی آسانی استفادہ کرنا دشوار ہے، کہ ان کی کتابوں کی نہ کوئی بہتر ترتیب ہوتی ہے، اور نہ ان کا کوئی صحیح نظام قائم ہوتا ہے، کیوں کہ ان کیتخانوں کے مہتمم بالعموم اسی قدر استعداد رکھتے ہیں کہ ایک کلرک کے فرائض انجام دے لیں، اور اسی لئے ان کیتخانوں میں وہ گرانقدر کتابیں بالعموم نظر نہیں آتیں، جو مختلف علوم فنون پر مختلف ممالک میں برابر شایع ہوتی رہتی ہیں، کیونکہ ان کیتخانوں کے مہتممین ان کتابوں

کی اشاعت سے بالعموم لاعلم رہتے ہیں، اس لئے ضرورت ہے کہ ہندوستان کے کتب خانوں کی رفتار ترقی تیز کی جائے، سفری اور دیہی کتب خانے قائم کر کے عام لوگوں میں کتب خانوں سے استفادہ کرنے کا طریقہ پیدا کیا جائے، یہ فریضہ حکومت ہند کا ہے، اگرچہ اس نے جنوری ۱۹۱۸ء میں کتب خانوں کے لئے لاپرواہی میں ایک آل انڈیا کانفرنس منعقد کی تھی، اور اس کانفرنس نے ایک ”دائرہ لائبریری ایسوسی ایشن“ بھی قائم کی تھی لیکن ہم اس جدوجہد کے شاندار نتائج کے لئے اب تک چشم براہ ہیں،

(سوشل سروس کوآرڈینیٹری بی بی بابت ماہ اپریل ۱۹۲۶ء)

”ر“

قسطنطنیہ میں فن خطاطی کی نمائش

قدیم دارالخلافہ قسطنطنیہ نے قدیم عربی فن خطاطی کو اب تک زندہ رکھا ہے، اور اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر ”مدرسہ المخطاطین“ کی بنا ڈالی گئی تھی، جس میں کامل الفن اساتذہ طلبہ کو خوشنویسی سکھاتے ہیں، اسی مدرسہ کے زیر اہتمام وہاں خوشنویسی کی ایک سالانہ نمائش ماہ رمضان میں ہوتی ہے، جس میں وہ تمام نفیس نادرا شیا جمع کی جاتی ہیں جنہیں ایک سال میں مختلف اساتذہ اپنے کمال فن کیساتھ تیار کرتے ہیں،

اس سال بھی رمضان میں نمائش ہوئی تھی، اس میں اس مرتبہ بعض امریکن بھی شریک ہوئے، اور شرتی صنائع خصوصاً مذہب و مطلقا اور اق مختلف قسم کی رنگ آمیزی اور ان باریک نقوش کو دیکھ کر حیرت تھے جو کاغذ، لکڑی کے ٹکڑوں اور سیپ وغیرہ پر بنائے گئے تھے، نمائش میں مدرسہ المخطاطین کے نو اساتذہ نے اپنے لکھے ہوئے قطعات وغیرہ پیش کئے تھے، یہ قطعہ تعداد میں تقریباً دو سو تھے، ان میں سے ایک باریع قطعہ استاذ کامل آفندی کا تھا، جس میں خط ثلث میں قرآن مجید کی آیت ”فہم لکم لکڑی لکھی گئی تھی“ اس قطعہ میں رنگ کی آمیزش انجیل جی

نے کی تھی، ایک دوسرا قطعہ خط تعلیق میں تھا جس میں ”یا مالک الملک“ لکھا ہوا تھا، اس قطعہ کو استاذ غلو صی آفندی نے لکھا تھا، استاذ حسین بک نے چند طباقوں کی تصویر تیار کر کے بھیجی تھی جو لکڑی کے ٹکڑوں پر بنائی گئی تھی اور ایرانی طرز کے نقشوں سے نقش تھی، کمال الدین آفندی نے بورپر لائٹ جوس کا نقشہ کھینچا تھا، یہ بھی نمائش گاہ میں موجود تھا، ان کے علاوہ مشرقی نقش جلد سازی کا بھی ایک نادر نمونہ استاذ بہار الدین آفندی نے پیش کیا تھا،

نمائش دوسرے سالوں کی بہ نسبت اس سال کم کامیاب ہوئی کیونکہ خیال کیا جاتا ہے کہ شاید نوجوانان ترک، مشرقی روایات کو زندہ رکھنے والے سیٹھے کے قلم اور قدیم مشرقی سیاہ روشنی کے استعمال کو یورپ کی بنائی ہوئی سب اور روشنائی کی بوتلوں کے ہوتے ہوئے تفسیح اوقات خیال کرتے ہیں، اور اسی لئے قسطنطنیہ سے قدیم عربی فن خطاطی کے زوال کا بھی اندیشہ ہے،

الزہراء

”ر“

جمعیتہ العلماء، کلکتہ کا خطبہ صدارت

یہ خطبہ جس میں عالم اسلام کے ہر قسم کے مسائل پر فائز نظر ڈالی گئی ہے، اور علماء کو موجودہ مذہبی خطرات سے آگاہ کیا گیا ہے، اور ہندوستان میں مسلمانوں کے فرائض سے محبت کی گئی ہے، نہایت اہم ہے، اکثر شایقین اس کا تقاضا کر رہے ہیں، اس لئے ان کو اطلاع دی جاتی ہے، کہ دفتر میں اس خطبہ کے حقوڑے سے نسخے باقی ہیں، جو اصحاب چاہیں بقیہ منگوا سکتے ہیں، قیمت ۸، ضخامت ۶۴ صفحے،

منیجر

نکات جدیدہ

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری مطبوعہ معارف پریس قیمت ۸

اخبارِ علمیت

مصنوعی جزیرے، امریکہ کے ہندس اور سترنگ نے سمندروں میں مصنوعی جزیرے قائم کرنے کا ایک طریقہ معلوم کر لیا ہے، تاکہ ان جزیروں میں وہ ہوائی جہاز اتر سکیں جو سمندروں کے اوپر پرواز کرتے ہوئے گزرتے ہیں، یہ جزائر فولاد اور مسک بنائے جائیں گے، ان کا طول ۲۰۰ انچ اور عرض ۴۰۰ انچ تک ہوگا، اور یہ سمندر کی سطح سے ۱۰۰ انچ بلند ہوں گے، اور ان کے درمیان کا ۹۰ فی صدی حصہ پانی کے اندر ہوگا،

ریڈیم سے جذام کا علاج، ایک اسپتال میں ریڈیم کی شعاعوں سے مرض جذام کا علاج کیا گیا، اس طریقہ علاج سے مریضوں کو بہت فائدہ ہوا، اس لئے امید کی جاتی ہے کہ یہ جدید طریقہ علاج مرض جذام کے انسداد میں بہت کارآمد ثابت ہوگا،

امریکہ میں موٹروں کی تعداد، گزشتہ سال کے تناسب امریکہ میں موٹروں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے، چنانچہ اس وقت وہاں ۵۰ ملین موٹر استعمال میں ہیں، اور چند سالوں کے موٹروں کی تعداد کے تناسب خیال کیا جاتا ہے کہ ۱۹۵۰ تک وہاں ۵۰ ملین تک یہ تعداد پہنچ جائیگی اور اسی لئے مختلف ممالک کے نسبت وہاں زیادہ تعداد میں موٹر تیار ہوتے ہیں چنانچہ وہاں ہر سال ۳۰۰،۰۰۰ موٹر بنائے جاتے ہیں،

خارجی عادت مان، ڈاکٹر فریڈرک محمد نے مصری اخبارات میں اطلاع شائع کی ہے کہ بندرگاہ سنورس میں ایک عورت کو بیک وقت چار لڑکے ہوئے، جن میں ایک لڑکی اور تین لڑکے تھے، ان کا بیان ہے کہ عورت کو ایامِ حمل میں کوئی غیر معمولی تکلیف نہیں ہوئی تھی، یہ بچے زندہ و سلامت پیدا ہوئے، اور اس دنیا میں چند روزہ زندگی بھی بسر کر گئے،

امریکہ کے اصلی باشندے، ڈاکٹر ہرڈلک اصلی باشندگان امریکہ کے متعلق بسیط بحث و تحقیق کے بعد اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ امریکہ کے اصلی باشندے کم از کم دس ہزار اور زیادہ سے زیادہ پندرہ ہزار سال پیشروہاں مشرقی ایشیا سے ہجرت کر کے پہنچے، اور وہیں اقامت پذیر ہو گئے، اور لیو وینر (LEO WIENER) نے اپنی ایک تصنیف میں یہ بھی ثابت کیا ہے کہ امریکہ میں کولمبس کے داخلہ سے چند صدی پیشروہاں کے باشندوں کے تجارتی تعلقات اسپین اور افریقہ کے باشندوں سے قائم تھے،

ایک مصری فوٹو گرافر کی کامیابی، چند مہینے گزبے پیرس میں فوٹو گرافر کی تصویروں کی نمائش ہوئی تھی، مختلف ممالک کے فوٹو گرافروں نے اپنے ہاتھ کی کھینچی ہوئی تصویریں اس نمائش گاہ میں بھیجی تھیں، ان تمام تصویروں میں احمد صادق آفندی مصری کی کھینچی ہوئی تصویر فن اور حسن کے لحاظ سے سب پر فوقیت لے گئی، پیرس کے ایک واقعہ مجلہ اس مصری مصور کی کامیابی کی تقریب سے خود مصور کی اور اسکے ہاتھ کی کھینچی ہوئی دو تصویریں بڑی مدح و ستائش کی نشاۃ ثانیہ کی تھیں، ان دونوں تصویروں میں ایک کا عنوان خوب آفتاب اور النکاس شعلہ تھا، اور درحقیقت احمد صادق کی یہی وہ تصویر ہے جس نے نقادانِ فن کو محو حیرت کر دیا تھا، اس مصری نوجوان کی اور تصویریں یورپ اور امریکہ

کی اور نمائش گاہوں میں بھی پیش ہو کر خراج تحسین وصول کر چکی ہیں،

مباحث طبیہ کیلئے ایک گرانقدر عطیہ، لندن کے ایک صاحب ثروت نے اپنا نام مخفی رکھ کر وہاں کے ایک اسپتال کے ناظم سے مشورہ کر کے مباحث طبیہ کے لئے ۵۰ ہزار پونڈ یعنی تقریباً سات لاکھ پچاس ہزار روپیہ وقف کیا ہے اس گراں قدر رقم کے منافع سے ان طبیبانہ کی خدمت میں معاوضہ پیش کئے جاویں گے جو مباحث طبیہ میں اپنا وقت صرف کر کے علم طب کی ترقی کے وسائل پیدا کریں گے،

چند جدید عناصر کا انکشاف، ڈاکٹر بکلس اور نیوی یونیورسٹی کے چند دیگر اساتذہ نے ایک جدید عنصر دریافت کیا ہے، جو ۱۰۶ اجزاء سے مرکب ہے، خیال کیا جاتا ہے کہ یہ جدید عنصر ان عنصرین سے ہے جن کے ۵۵ سے ۱۰۶ اجزاء ہوتے ہیں، اسی طرح ڈاکٹر ہیرڈسکی نے بھی ایک جدید عنصر معلوم کیا ہے جس کے ۱۰۷ اجزاء ہیں، ڈاکٹر موصوف نے اس جدید عنصر کو اپنے وطن بوسنیا کی مناسبت سے "عنصر بوسنیوم" سے موسوم کیا ہے، اب دیکھنا ہے کہ یہ جدید عناصر تمدنی ضروریات میں کن چیزوں کا اضافہ کرتے ہیں،

ایک امر مین کا مصر کو گرانہما عطیہ، مصر میں آثار قدیمہ کا انکشاف اس قدر غیر معمولی سرعت سے ہو رہا ہے کہ وہاں کا موجودہ عجائب خانہ ان کے لیے کافی نظر نہیں آتا، اس سے متاثر ہو کر امریکہ کے مشہور دو ہفت روزہ سٹریٹ جان لک نے مصر کو دس ملین ڈالر یعنی تقریباً تین کروڑ روپیہ اے عطا کیا ہے کہ اس رقم سے مصر میں ایک ایسا عجائب خانہ قائم کیا جائے جس کا دنیا کے بہترین

عجائب خانوں میں شمار ہو، سٹریٹ جان لک نے اپنے عطیہ کے ساتھ آثار قدیمہ کے مباحث کیلئے ایک انسٹیٹوشن کے قیام کی بھی خواہش کی ہے

علم ہدایت سے نیرج کی تحقیق، ہومر کے قصیدہ کی کتاب ۲۰ میں ایک جگہ آتا ہے کہ آفتاب یکا ایک غائب ہو گیا، اور تمام دنیا تاریک ہو گئی، اب اس بیان سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اس زمانہ میں ایسا پورا سورج گرہن پڑا تھا کہ سورج کی ایک کرن بھی چھین کر باہر نہ آسکی، اب اس نظریہ کو پیش نظر رکھ کر ڈاکٹر سکوتش نے علم ہدایت کے رد سے یہ دریافت کر لیا ہے کہ وہ سورج گرہن ۱۶ اپریل ۱۸۵۹ء کو ظہر کے قبل ۱۱ بجکر ۴۴ منٹ پر واقع ہوا تھا،

روس میں علمی جدوجہد، روس میں ایک ایسی مجلس قائم ہوئی تھی جو سمندروں اور اس کے پانی وغیرہ پر علمی نقطہ نظر سے بحث کرتی تھی، اس مجلس نے بحیرہ سود کے متعلق ۱۸۵۹ء اور ۱۸۶۰ء میں بعض علمی مباحث شائع کئے تھے، روس کی موجودہ اطلاعات واضح ہوتا ہے کہ اس مجلس کے سرگرم مباحث اب تک بدستور جاری ہیں، چنانچہ معلوم ہوا کہ اس نے کامل تیس برس کے بعد بحیرہ سود پر دوبارہ غور کرنا شروع کیا، اور ۱۸۶۲ء سے ۱۸۶۵ء تک غور و خوض اور تجربے کرنے کے بعد بحیرہ سود کے متعلق بعض مفید حقائق کا انکشاف کیا ہے، جو اب شائع ہو گئے ہیں،

کتابی

کلام گرامی

یک شک خوں بدجلہ و جوں برابر است در دای بلا کم و انسزدن برابر است
 مفت است گرز غمہ خور زجاں بریم یک خون بیکناہ لصد خوں برابر است
 دگر گاہ عقل بود رنگ استیاز در بزم عشق لیلی و مجنوں برابر است
 ما حادث اذ قدیم ناکحتی چه می زنی جوں اے پسر چگونہ و جوں برابر است
 در تنہ بر زبان زلیخا جزا یں نبود یک آہ باہزار شیخوں برابر است
 الہی ست دیگر دلاہی دگر بود غافل کجا بحضرت ذوالنوں برابر است

آنجا کہ شد گرامی غمیدہ اشک ریز
 یک قطرہ باتلاطم جوں برابر است

نوائے حزیں

مولوی سید محمد جتوئی حزیں گامی سہیل بیان نائب مدیر مہنامہ تعلیم لاہور دہس فاضل سرکون بکرمائی اکول شملہ ر
 دست کا فہم از من خیرے نیست ترا می کشم نالہ و بر دل اثرے نیست ترا
 چشم صد لعلت تو دارم نظرت نیست ترا خاک رہ گشتم و بر من گذرے نیست ترا
 شمع خسار بگیری بدیجوری بکمان شل من والہ دشتیاد اگرے نیست ترا

لے جو ری جی کوئی

بشکند گر قفس لے دل بچہ کار تو خورد توے گلشن ہری بال پرے نیست ترا
 رہ غلط گر بگیتی خضر تو دل بہت حزیں
 در جہاں بہتر ازین را بہرے نیست ترا

کلام عابد

از جناب سید عابد علی حبیبی اے دیہنہ ادا ست لاہور

بڑی لذت سے آتا ہے زباں پر میری نام کا خدا چاہے تو آیا چاہتا ہے کچھ پیام اس کا
 ضرورت کیا کہ اب ساتی اسے لبریزی کر دے کہ عکس رخ سے رنگیں ہو گیا ہتھوں میں عام اس کا
 کسی کی لغزش غمور فردوس تماشا ہے نشاط حسن سے سرشار ہے طرز خرام اس کا
 وہ عالم ہے کہ پھر بجلی گر لگی دشت ایمن پر کوئی دیکھے تو آدائش میں رنگ اہتمام اس کا
 ہمیں دوق طلب میں دوری منزل کا غم کیا ہے ہمند و پست سے بالا ہے عشق تیز گام اس کا
 پیش قدم محبت کی نہیں جاتی نہیں جاتی ابھی تک میرے سینہ پہ ہے داغ ناتمام اس کا
 وہ کیا جانے کہ اندوہ محبت کے منے کیا ہیں ابھی نا آشنا ہے غم سے حسن شاد کام اس کا
 بہار ناز میں انداز اس کے مہ جبینوں میں جنوں نہا ہے ادا اس کی گل نشاں کلام اس کا

نجا و عابد رنگیں نوا کی خاکساری پر
 ذرا دیکھو تو اقلیم جنوں میں احترام اس کا

لے توئی بہ لذت جدید یعنی درست

بَابُ تَنْقِیْهِ وَ تَحْقِیْقِ

اردو کے نئے رسالے

ہم کو اکثر یہ شکایت رہا کی ہے کہ اردو کے پرچون کا معیار، یورپ اور مصر تو کیا، خود ہند کی زبان کے پرچون مادھری اور سرتی کے برابر بھی نہیں ہے، لیکن سہیل کی اشاعت نے ہمارے خیال میں تغیر پیدا کر دیا جو مسلم یونیورسٹی کی انجمن اردو دے مغل کی طرف سے ہمارے دوست پروفیسر رشید احمد صدیقی کی ادارت میں ہر تیسرے ماہ شائع ہوگا اس کا پہلا پرچہ جو تہی کے موقع پر نکلا، اسلئے اسکی ظاہری شان و شوکت کی ستائش اسی وقت کرنی چاہیے جب یہ صورت برابر قائم رہے یہ پرچہ اگر دیر تک زندہ رہا تو اردو کی ارتقاء اور ترویج میں اس کا خاص حصہ ہو گا کیونکہ یہ پرچہ اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر نکالا گیا ہے، سہیل کا یہ مقصد اس کے ٹائٹل ہیج، یا اس کے دعاوی سے نہیں بلکہ اس کے مضمونوں کی نوعیت سے ظاہر ہوتا ہے، نہ صرف مضامین کی نوعیت بلکہ ترتیب مضامین بھی خاص تعریف کی مستحق ہے، یونیورسٹی کے ارباب علم و عقد، انجمن اردو دے مغل کے شرکاء اور ملک کا علم و طبقہ اگر سہیل کی امداد کرتا رہا تو ہم کو اس سے بہت کچھ خوش آئند امیدیں ہیں جو لوگ رشید احمد صاحب سے محض اخباری تعارف رکھتے ہیں وہ خیال کرتے ہوں گے کہ سہیل صرف متین غرافٹ کا سربراہ دار ہوگا، لیکن وہ جب سہیل کو دیکھیں گے تو ان کو علمی وقار و ممانت اور سنجیدگی و ثقافت محسوس کر کے حیرت ہوگی، قیمت سالانہ سے پتہ۔

اردو کے مرکز لکھنؤ سے بھی اس کا ایک ہم نام سہیل میں ابوالبراقہ سید ظفر ہمدانی اور السید

نواب علی الرحمن کی ادارت میں "افق نور المطالع و کثور یہ اسٹریٹ لکھنؤ سے طلوع ہو کر دفتر سہیل میں سے شایر بلاؤ ہوا ہے، تعجب ہے کہ لکھنؤ، جو ہمیشہ "فرنگی مغل" اردو کو مولویانہ اردو کہتا رہا جو "ابوالبراقہ" السید الرحمنی "معزکۃ القلم" اور ثناء الماضی "بھیس ترکیبون کو کیونکر برداشت کر سکا، سہیل میں کاموں "اتنک مورتھہ " یعنی یہ سنیوں پر یا خود اس کے لفظوں میں ان نجدیوں پر اعتراضات کر گیا "جو سنی بکاشیوں پر حملے کرتے ہیں قیمت سالانہ سے نشانی جاریہ دفتر سہیل میں و کثور یہ اسٹریٹ لکھنؤ،

سہیل میں کے ساتھ اسی لکھنؤ کے ایک دوسرے پرچہ طالب علم کو دیکھ کر سرت ہوگی، یہ چھوٹے بچوں کے اہتمام سے ماہوار نکلتا ہے، چھوٹے چھوٹے باکار مضامین کا مجموعہ ہوتا ہے، اس میں ناول، شان کے مضامین کی تلاش مناسب نہیں، بچوں کے لیے پرچہ نہایت مناسب ہے زبان سہل ہے قیمت سالانہ عا، پتہ دفتر طالب علم سرکلر روڈ ممبر ۳، لکھنؤ،

اسی لکھنؤ سے ایک جہان عزیز پرچہ مرقع بھی نکلتا ہے، ہم کو شبہ ہے کہ شاید خود لکھنؤ نے "جہان عزیز" کو نہ سمجھا ہوگا، لیکن پرچہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے خاصا ہے، اس کے مدیر جناب دھل بلگرامی کو شعر و شاعری میں خاتواوہ امیر سے نسبت ہے اسلئے ابھی اس درخواست کی گنجائش ہے کہ پرچہ اس ادبی تفریق کا ائینہ نہیں معلوم ہوتا جو لکھنؤ کو پنجاب، حیدرآباد، علی گڑھ وغیرہ دوسرے مقامات پر حاصل ہونا چاہیے تاہم قابل مذمت نہیں، قیمت سالانہ صر

اردو کے دوسرے مرکز دہلی سے بھی ایک ماہوار پرچہ تجلی شائع ہوتا ہے، لیکن اس کا دعویٰ ہر قسم کے علوم یا ادب کی خدمت کا نہیں ہے، وہ لوگوں کو کام میں لگانا چاہتا تھا، اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ بقول خود "ترقی کی عملی تدابیر بتانے والا ماہنامہ رسالہ" ہے، اس بنا پر یہ اپنی نوعیت کا پہلا رسالہ ہے، اس کے مضامین زیادہ تر صرف اصلاح معاشرت اور اخلاق سے

قفل رکھتے ہیں، اس وقت ہمارے پیش نظر اس کا پانچواں نمبر ہے، جس میں آمدنی بڑھانے کے طریقے، تجارت میں کامیابی جیسے عنوانات نہایت مفید ہیں، مگر سرسری ہدایت اور نصیحتوں کے ساتھ واقعی اور عملی باتوں کو بھی پیش کرنا چاہیے، ہم کو صرف اتنا بتا دینا کافی نہیں ہے کہ فلاں کام کرنا مناسب ہے، بلکہ ہم کو یہ بھی بتانا چاہیے کہ اس کام کے شروع کرنے میں جو عوائق ہیں انکو دفع کرنے کی یہ سہیل ہے، قیمت سالانہ عارقبہ: دفتر تجلی سرکیوالان دہلی،

حال میں عظیم آباد پٹنہ سے بھی ایک واحد مجلہ علمی ادبیہ شائع ہونے لگا ہے، جس کا نام تصویر خیال ہے، اس پرچہ کی اصل ذمہ داری جناب ضیاء الملک منظور الحق صدیقی پر ہے، ان کے علاوہ تین مدیران اعزازی اور مین جوان کی مدد کرتے ہیں، یہ تینوں بزرگ "شاہ" اور بی بی مین، رسالہ اچھا ہے لیکن صحت زبان اور بلندی معیار کی ضرورت ہے، قیمت سالانہ سے تہہ دار لاٹھا علیہ مراد پور پٹنہ،

ہندوستان میں طبی پرچوں کی جس قدر ضرورت ہے ظاہر ہے، لیکن افسوس! سارے ملک میں اردو طبی پرچے دو ہی ایک ہیں، جنہیں سے کسی کا بھی معیار بلند نہیں، حال میں کلکتہ سے شرفار نام کا ایک پرچہ نکلتے لگا ہے، اس پرچے کے مضامین کی نوعیت بتا رہی ہے کہ اگر کوشش کی جائے تو اس کا معیار بلند ہو سکتا ہے، لیکن ضرورت ہے کہ گذشتہ سے پورستہ کے سلسلہ میں کمی ہو، قیمت سالانہ سے رتبہ ۶۶ نمبر کو لوٹو لہ اسٹریٹ کلکتہ،

کچھ دن ہوئے لاہور سے انتخاب نام کا ایک مفید رسالہ نکلتا شروع ہوا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ اردو سالوں کے منتخب اور بلند معیار مضامین کو یکجا کر کے پیش کرے، اگر انتخاب زندہ رہتا اور خوش سلوکی سے اپنا فرض ادا کرتا رہتا تو ملک کے لیے نہایت مفید ثابت ہوتا، لیکن افسوس کہ وہ بند ہو گیا تاہم اب ہی انتخاب بھارتستان بنکر نکلا ہے، جس کا مقصد منتخب مضامین شائع کرنا نہیں بلکہ قابل انتخاب مضامین کی اشاعت ہے،

کیا ہم جناب شیرانی سے یہ درخواست کرتے ہیں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ انتخاب کا مقصد بھارتستان میں بھی ملحوظ رکھا جاسکتا ہے اگر صحیح نظر انتخاب کے ساتھ غلط اعتراضات کا جواب سکوت کے رنگ میں دیتے ہوئے، آپ اپنے پرانے مقصد کو انجام دیتے رہیں تو بالآخر کامیابی یقینی ہے، بھارت کی قیمت سالانہ صرف روپیہ ہے، تہہ، دفتر رسالہ بھارتستان مزنگ لاہور،

چاند (لاہور) علمی، ادبی، اخلاقی، تاریخی، طبی، روحانی (غرض تمام) دیکھیوں کا مجموعہ ہے، ارڈی کا جریدہ کی اوٹیری میں دفتر رسالہ چاند سٹی گیٹ لاہور سے شائع ہوتا ہے، قیمت سالانہ صرف

آفتاب کلکتہ، چاند سے زیادہ روشن اور مفید ہے، قیمت سالانہ سے رتبہ: نمبر ۱ گنگا دھر بالولین بنو بازار کلکتہ،

کلیات اقبال، مرتبہ

مولوی عبدالرزاق صاحب ایچ، سی ایس

ڈاکٹر اقبال ان لوگوں میں ہیں جنکے کلام کی جمع و ترتیب کے لیے کسی غیر معمولی جذبہ کی ضرورت نہیں، ان کی متعدد نظمیں الگ الگ چھپی ہوئی عام طور پر بازاروں میں ملتی ہیں ان کا کلام بکثرت اخبارات و رسائل میں شائع ہوتا رہتا ہے اور بہت سی نظمیں لوگوں کو از بر یاد ہیں، سوائے ان پر اگندہ موتیوں کو سمیٹ کر ایک لڑی میں پرو دینا نہایت آسان کام ہے، لیکن اس کلیات کے جامع مولوی عبدالرزاق صاحب نے اس آسانی کے بجائے علمی زحمت گوارا کی ہے اور ابتدا ہی سے ان کی شاعری کو تاریخی حیثیت سے پیش نظر رکھا ہے، چنانچہ انھوں نے ایک بیان میں ان کی دو سو نظمیں جن میں غزلیں بھی شامل تھیں، جمع کی تھیں، اور نظموں کے ساتھ

ان کے متعلق چند اہم تاریخی مواد بھی فراہم کئے گئے، مثلاً،

(۱) کوئی نظم کس سند میں لکھی گئی، کب، کس موقع پر، اور کہاں پڑھی گئی؟

(۲) کوئی نظم ہندوستان سے گزر کر دنیا کے کس کس ملک میں پہنچی، وہاں اس کا ترجمہ کس

زبان میں اور کس رسالے یا اخبار میں شائع ہوا اور اس پر کس کس نے تنقید کی؟

(۳) نظم لکھنے کے کون سے اسباب محرک ہوئے؟

(۴) نظم کی مینا و کلام مجید کی کس آیت یا فلسفہ کے کس مسئلہ پر ہے؟

(۵) نظموں سے متعلق معتبر روایتیں کیا کیا ہیں؟

لیکن افسوس ہے کہ یہ بیاض گم ہو گئی۔" سیلے کہ یہ مجبوراً اس مجموعے میں یہ تمام تاریخی مواد

شامل نہ ہو سکا تاہم انھوں نے اپنی یادداشت سے متعدد نظموں کے متعلق اس قسم کی چند معلومات

اس مجموعے میں بھی درج کر دی ہیں، اس کے بعد ۳۶ صفحات میں ایک ویسا چہرہ لکھا ہے، جو

حسب ذیل ابواب پر منقسم ہے،

(۱) اقبال کے مختصر حالات،

(۲) اقبال کی شاعری،

(۳) اقبال کی تصنیفات،

ڈاکٹر اقبال کے حالات ۲۸ صفحوں میں آتے ہیں، اور ہر عنوان کے متعلق کافی مواد موجود ہے

لیکن افسوس ہے کہ ان کے اخلاق و عادات کا عنوان نہایت نامکمل اور تشنہ ہے، حالانکہ ایک

شخص جو صرف شاعر ہی نہیں بلکہ فلسفی اور مصلح بھی ہے، اس کی اخلاقی شخصیت بہت زیادہ

نمایان کرنے کی چیز تھی،

حالات کے بعد اقبال کی شاعری پر نہایت مفصل بحث کی ہے، اور اس کے متعلق

جس قدر تاریخی مواد موجود تھا سب کو یکجا کر دیا ہے، اور غالباً اردو شعراء میں کسی کی شاعری کے متعلق

اس قدر تنقیدی و تاریخی مواد نہیں مل سکتا،

اس کے بعد اقبال کے شاعرانہ خصوصیات نہایت تفصیل کے ساتھ دکھائے ہیں، اور ہر

خصوصیت کو واضح مثالوں سے ثابت کیا ہے، ویسا چہ کے دو پہلے ابواب تاریخی حیثیت رکھتے ہیں

یعنی اقبال اور اقبال کی شاعری کے متعلق جامع کو جو کچھ معلوم تھا، یا خود اقبال نے یا دوسرے لوگوں

نے لکھا تھا، اس کو نہایت جامعیت و استقصاء کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیا ہے، لیکن تنقیدی

حصہ خاص جامع کی دماغی کاوش کا نتیجہ ہے، اور ہم کو اس کے کہنے میں مطلق تامل نہیں ہے، کہ

ڈاکٹر اقبال کی شاعری کے متعلق ہر حیثیت سے نہایت تشفی بخش بحث لگائی ہے،

اس کے بعد ان کی تصنیفات کی فہرست دی ہے، اور یہ تمام مباحث ۳۶ صفحوں میں آئے

ہیں، جنکے بعد اصل کلیات شروع ہوتا ہے، جسکی ابتدا غزلوں سے لگائی ہے، اور ۲۸ صفحات

تک انھنی کا سلسلہ چلا گیا ہے، لیکن افسوس ہے کہ انھوں نے ڈاکٹر اقبال کے کلام پر جو رپورٹ لکھی ہے،

اس میں انکی غزلوں کی خصوصیات کو نظر انداز کر دیا، حالانکہ تاریخی حیثیت سے یہ دکھانا ضرور تھا

کہ اقبال نے غزل کے اسٹائل میں کیا کیا تغیرات کئے ہیں، اور وہ کس قسم کے مضامین پر مشتمل ہیں

غزلوں کے بعد نجات یعنی ظرافت آمیز لیکن خرد آموز اشعار کا مجموعہ ہے، پھر نقش قدرت یعنی منظر

قدرت، پھر فانوس حیات یعنی وہ نظمیں ہیں جو حقائق و معارف کا گنجینہ ہیں، اس کے بعد شمع طور ہے

لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان نظموں میں وجہ اشتراک کیا ہے؟ اور ان کا عنوان "شمع طور" کس مناسبت سے لگایا

اس کلیات کی منجاست ۲۶ صفحہ اور لکھائی چھپائی عمدہ ہے، اور محمد نجم الدین احاطہ حیدر جنگ

مردم ترپ بازار حیدر آباد دکن سے مل سکتی ہے، قیمت جلد سے غیر مجلد ص

"ع"

مطبوعہ حاجی

فلسفیانہ مضامین، الناظر بک انجمنی لکھنؤ نے مولانا عبد الماجد صاحب بی اے دریا بادی کے ان دقیق فلسفیانہ مضامین کا مجموعہ شائع کیا ہے جو مجلہ الناظر لکھنؤ میں چند سال پیشتر تک وقتاً فوقتاً مختلف فلسفیانہ بحث پر نکلتے رہتے ہیں، یہ رسالہ چھ مضامین کا مجموعہ ہے، پہلا مقالہ فلسفہ کی تاریخ اور اس کے مذاہب پر ہے، جس میں پہلے فلسفہ اور سائنس کے جد و جد کو الگ الگ کر کے فلسفہ کی تعریف سمجھائی گئی ہے، پھر فلسفہ کی ابتدا سے موجودہ زمانہ تک کے تمام مذاہب فلسفہ کی اجمالی تاریخ اور فلسفہ کے ہر اسکول کے مختصر حالات بتائے گئے ہیں، دوسرا مقالہ "فلسفہ کی تعلیم گذشتہ اور موجودہ ہے جس میں یونان اور یورپ کے عہد بعہد کے ممتاز فلاسفہ کے سوانح، اور دیگر علمی و تعلیمی حالات اجمالی طور پر بیان کئے گئے ہیں، اس کے بعد تیسرے مقالہ میں "فلسفہ تشکیک" کی تشریح اور اسکی تاریخ ہے، پھر چارم کی منطق پر ایک مقالہ ہے جس میں مل کی کتاب نظام منطق کی مختصر مگر جامع تحفیں اضافہ، مثلاً کے ساتھ لگائی ہے، اس کے بعد نظام ازدواج پر فلسفیانہ نقطہ نظر سے بحث لگائی ہے، سب سے آخر میں یورپ کے مشہور فلسفی کہنے کے حالات ہیں، پہلے مضمون کی ابتداء میں مولانا موصوف کا ایک خطا ڈیٹرا ناظر کے نام ہے، یہ خط ان حالات کا ائینہ ہے جب مولانا موصوف فلسفہ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، اسلئے ان کے قدیم خیالات پر تنقیدی نظر ڈالنا بیجا نہیں ہے، لیکن تاثر مجموعہ کا فرض تھا کہ ان تمام مضامین اور خصوصاً اس خط پر خود مولانا موصوف سے ایک تبصرہ لکھا کہ مجموعہ میں منسلک کر دیتے کہ اس سے بعض غلط فہمیاں بھی دور ہو جائیں،

اور ایک علمی و مذہبی خدمت بھی انجام پاتی، ختمت چوٹی تقطیع پر مع فہرست اصطلاحات و فہرست سائنس ۵۶ صفحہ کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی ہے، قیمت چھ روپے۔ الناظر بک انجمنی لکھنؤ،

تاریخ زوال روم، یورپ کے مشہور مورخ ایڈورڈ گبن کی مشہور تصنیف "ہسٹری آف

دی ڈکلائن اینڈ فال آف رومن امپائر" کا اردو ترجمہ جناب سید مطلب حسین صاحب بی اے لکھنؤ نے تاریخ زوال روم کے نام سے کیا ہے، اس کا پہلا حصہ دائرہ ادبیہ لکھنؤ نے شائع کیا ہے اور یہی زیر تبصرہ ہے، ابتدا میں جناب چو وھری رحم علی ہاشمی بی اے کا ایک مقدمہ انیس صفحوں میں جس میں گبن کے سوانح و حالات بیان کئے گئے ہیں، لیکن گبن کے سوانح و حالات کے ساتھ ساتھ یہ زیادہ بہتر ہے کہ حکومت روم کی مکمل تاریخ کا ایک مختصر خاکہ بھی پیش کیا جاتا کہ اس سے عام اردو دان طبقہ کو کتاب کے سمجھنے میں زیادہ سہولت ہوتی، اصل کتاب کا ترجمہ سلیس اور سادہ زبان میں ہے، ضخامت ۱۰۷ صفحوں کی کتاب نہایت باریک ہے جو غالباً دائرہ ادبیہ کی مالی مشکلات کا نتیجہ ہے، قیمت دائرہ ادبیہ لکھنؤ سے طلب کریں،

عام فہم تفسیر پارہ سیقول و عم، جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کی "عام فہم تفسیر" کے پارہ الم پر کسی گذشتہ نمبر میں تبصرہ کیا جا چکا ہے، اب اسی تفسیر کے پارے "سیقول" اور عم تیسرا نمبر شائع ہوئے ہیں، جو اسی طرز پر لکھے گئے ہیں، صرف فرق یہ ہے کہ ان پاروں میں پارہ الم کی طرح تعلیمات کا باب نہیں ہے، جس پر گذشتہ تبصرہ میں خواجہ صاحب کو توجہ دلائی گئی تھی اور جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ خواجہ صاحب اپنی تفسیر میں جا بجا تعلیقات بھی لکھتے ہیں، پارہ سیقول میں "الطلاق مرتان" الآیہ کے ذیل میں بھی ایک بسیط تعلیق لکھی ہے، جس میں مسائل طلاق کی توضیح لگائی ہے، اسی سلسلہ میں ایک جگہ خواجہ صاحب لکھتے ہیں "غیر بدخولہ عورت کو ایک ہی طلاق دیدینے سے وہ طلاق بائن ہو جاتی ہے"۔ انوسس ہے کہ خواجہ صاحب سے اس

مسئلہ میں شدید نفرت ہوئی کہ یہ حکم اولاً نص قرآن کے صریح مخالف ہے اور علاوہ ازین ائمہ
 میں سے کسی ایک کا بھی یہ فتویٰ نہیں ہے، ضرورت ہے کہ خواجہ صاحب اپنی تفسیر کو شارح کرسٹ
 سے پیشتر ہندوستان کے مستند علماء کے پاس بھیجا کریں جیسا کہ وہ خود پارہ ۱۸ کے دیباچہ میں
 وعدہ کر چکے ہیں، تاکہ اس قسم کی فاحش غلطیاں نہ رہ جائیں، ضخامت پارہ سیکول ۴۸ اور پارہ ۱۸
 صفحہ قیمت ہر ایک پارہ آٹھ آٹھ آنے پتہ:- منیجر نظام المشائخ، پوسٹ بکس نمبر ۱۰۰

مجدوب، علامہ ابن تیمیہ نے ایک استفتاء کے جواب میں مذہبی احکام اور شریعت کی
 کی نظر سے ان لوگوں کا مقام بتایا ہے جو متصوفین کی اصطلاح میں "مجدوب" کہے جاتے
 ہیں، مولانا عبدالرزاق صاحب مذہبی ملیح آبادی نے اسی استفتاء کے جواب کا ترجمہ "مجدوب"
 کے نام سے شائع کیا ہے، ضخامت چھوٹی تقطیع پر ۳۹ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے
 قیمت ۱۰ روپے:- پبلک لائبریری نمبر ۱۰ بالی گنج سرکلر روڈ کلکتہ،

سالومی، یورپ کے مشہور انشا پرداز اسکروائلڈ نے ایک مذہبی تیشلی فسانہ "سالومی" نامی
 کے نام سے لکھا تھا، جس کا تعلق ہرودیس انٹی پاس کے زمانہ میں سالومی اور حضرت یوحنا سے ہے، اس
 فسانہ کا ترجمہ یورپ کی متعدد زبانوں میں ہو چکا ہے، اب اردو میں جناب مجنون گورکھپوری نے
 منتقل کیا ہے، فسانہ کی جان زبان کی لطافت ہے جسکو جناب مترجم نے ترجمہ میں بہت کچھ قائم
 رکھنے کی کوشش کی ہے، ابتداء میں جناب مترجم کا ایک مقدمہ بھی ہے جس میں اس فسانہ کی تصنیف
 اور اس کے دیگر حالات بیان کئے گئے ہیں، ضخامت چھوٹی تقطیع پر ۳۰ صفحے، قیمت ۱۰
 پتہ:- دفتر نگار بھوپال یا بذریعہ مولوی احمد ذکی صاحب وکیل سرکار گورکھپور،